راز و نیاز

رازؔ لائلپوری

श्रद्धा-सुमन

आदरणीय सर्वकाल पूज्यनींय स्वर्गधाम निवासी मातेश्वरी श्रीमती विशन देवी मेहरा एवं देवतुल्य पिता श्रीमान नानक चन्द मेहरा जी की पुण्य स्मृति में उनके सुपुत्र श्री बी. डी. मेहरा ने

"राज-ओ-नयाज"

का सहर्ष प्रकाशन करवाया ।

راز و نیاز

راز لائل پوری

اشاعت اول : ۱۹۸۵ء

قیمت : پچیس روپے

ناشر: ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ نمبر ۸
انصاری مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی ۲

طباعت : جمال پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی ۶

خوش نویس : محمد ایوب شاہجہانپوری

ٹائیٹل : آر کے پرنٹس - چاوڑی بازار دہلی ۶

مصنّف کا پتہ : کیو ۱۸ ملکہ گنج - دہلی ۷

فون نمبر : 291034

تعارف

نام : دھنپت رائے تھاپر
تخلص : رازؔ
ولادت : ۱۴ جولائی ۱۹۲۰ء لائل پور (پاکستان)

شری بی۔ آر۔ تھاپر صاحب کے متموّل و متمدّن گھرانے کا ایک فرد ہوں میٹرک تک تعلیم پائی۔ اُردو میں ادیب کا امتحان پاس کیا۔ اب دلّی میں مستقل طور پر مقیم ہوں۔ شعر گوئی کا شوق فطری ہے۔ لائل پور، لاہور، منٹگمری اور بمبئی میں حضرت سرؔشار سیلانی کی سرپرستی حاصل رہی۔ اُن کے انتقال کے بعد قبلہ ساحرؔ ہوشیارپوری کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ اور یہ سلسلۂ تلمّذ آج تک جاری ہے۔ آپ نہ صرف میرے اُستادِ مکرم ہیں۔ بلکہ دیرینہ شفیق اور مُربّی بھی ہیں۔ شہریارِ سُخن پروفیسر بخشی اخترؔ امرتسری کے مُشفقانہ مشوروں اور اُن کی رہ نُمائی کا فخر بھی مجھے حاصل ہے۔ میری پہلی تصنیف "نُورِ صداقت" (نظموں کا مجموعہ) ہے۔ دوسری تصنیف "آئینۂ راز" جس پر اُترپردیش اُردو اکاڈمی لکھنؤ کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں ایک ہزار روپے کا انعام ملا تھا۔ اب یہ تیسری تصنیف "رازو نیاز" قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

سرؔشار، کہ ہے جن کی فضیلت معلوم
ساحرؔ، کہ بہت جن کے سُخن کی ہے دھوم
اور اخترؔ ذونوق، کہ ہیں اک ماہر فن
رازؔ اُن کا ہوں خادم یہ ہیں میرے مخدوم

مالک رام

"رازونیاز"

اُردو میں غزل فارسی سے آئی۔ شروع میں زیادہ توجہ تصوف اور اخلاقیات پر رہی۔ رفتہ رفتہ دوسرے موضوع بھی داخل ہونے لگے۔ اور اس میں تنوع پیدا ہو گیا۔ عربی میں غزل کے معنی ہیں۔ گفتگو با زناں کردن۔ دوسرے معنوں میں حسن و عشق کی گفتگو غزل کا بنیادی مقصد تھا۔ لیکن اُردو میں اس پر کئی دور گذرے۔ خاص طور پر لکھنوی غزل زیادہ تر زبان اور محاورے تک محدود رہی۔ وہاں اس کے داخلی محسوسات اور گفتگو با زناں کم سے کم ہوتا گیا۔ اس کی اپنی اہمیت ہے۔ آج اگر ہمیں زبان کی اور محاورے کی صحت اور اس کے طریقۂ استعمال سے متعلق گفتگو کرنا ہو تو لکھنوی شعراء کے کلام سے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے۔ لکھنوی مکتبِ ادب کی یہ اتنی بڑی خدمت ہے کہ اُردو والے ہمیشہ اُن کے ممنونِ احسان رہیں گے۔

اس کے مقابلے میں دہلوی شعراء نے زیادہ توجہ داخلی موضوع پر مبذول رکھی۔ یہ نہیں کہ دہلی میں زبان کا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ داغ اسکول کے کئی شاعر اس دائرہ سے باہر نہیں نکلے۔ لیکن اُن کی بہت بڑی اکثریت صحیح شاعرانہ ذوق کی قدر دان رہی۔ شکر ہے کہ دونوں جگہ کے شاعروں نے جلد محسوس کر لیا کہ محض زبان کی شاعری نہ دیر پا ہے نہ جذبات کو تسکین دینے والی۔ چناں چہ انھوں نے زبان پر توجہ کم کر دی۔ اور فنی حدود کے اندر رہ کر حسن و عشق کی واردات کے علاوہ اس میں نئے نئے موضوعات بھی داخل کر دیئے۔ چناں چہ

موجودہ غزل مختلف مضامین اور موضوعات کا نہایت دلکش مرقع بن گئی ہے۔ رازؔ لائل پوری موجودہ دور کے شاعر ہیں۔ اُن کے تنوع بھی ہے اور زبان کی چاشنی بھی۔ مجھے خوشی ہے کہ اُن کا دوسرا مجموعۂ کلام "رازونیاز" منظرِ عام پر آرہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین اُن کے پہلے مجموعے "آئینۂ راز" کی طرح اِس تازہ مجموعے سے بھی کما حقہٗ لُطف اندوز ہوں گے۔

سی ۵۰۴ ڈیفنس کالونی
نئی دلی 110024

۷
۵
۱۹۸۵ء

ساحر ہوشیار پوری

تجزیہ و تاثر

جناب راز لائل پوری دبستانِ داغ کے ایک معروف شاعر ہیں۔ اور اس کی صحت مند و صالح روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑی لگن، محنت اور صدق دلی سے اپنے شعری سفر کی منازل طے کر رہے ہیں۔ ان کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ لہذا ان کے قطعات و رُباعیات میں بھی غزلیہ رنگ ہی کی دِل آویزی کار فرما ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ اور جدید رُجحانات کی حامل سخن آفرینی کی وہ قدر کرتے ہیں۔ لیکن اُفتادِ طبع، مزاج اور اُن کے تہذیبی و مجلسی ماحول کے تقاضے کچھ مختلف ہیں۔ وہ کلاسیکی انداز کے رسیا ہیں۔ اور ع

"وفا داری بہ شرطِ اُستواری اصل ایماں ہے"

پر سختی سے کاربند ہیں۔ تہی دستی میں دُخترِ رز کو آبِ زر سمجھنے پر مُصر ہیں۔ صبا کے ہاتھ پیام بھیجتے ہیں اور محبوب کی تغافل کیشی اُن کو افسردہ خاطر کر دیتی ہے۔ حُسنِ فتنہ ساماں گھر سے بن سنور کر نکلتا ہے تو قیامت کے فتنوں کے ہمراہ چل پڑنا اُن کے نزدیک ایک لازمی عمل ہے۔ ساقیِ مست نظر بادۂ گل فام کا جام پیش کرتا ہے تو وہ توبہ کو اللہ کے حوالے کر کے محوِ نا و نوش ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہوش میں آنا اُن کے لئے کُفر کے مترادف ہے۔ کسی پری رُو کے چہرے سے نقاب اُٹھتے ہی اُن کو "رُوئے سحر" کا گمان ہوتا ہے۔ وہ کائنات کے ہر ذرّے میں تنویرِ خدا کی جلوہ افشانی کے قائل ہیں۔ اپنے ہر قطرۂ اشک کو گوہرِ نایاب تصوّر کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ماہ وشوں کی

زُلفوں کو سُلجھانے کے ساتھ ساتھ عروسِ دہر کی زُلفوں کے پیچ وخم سُلجھانے پر بھی مائل ہو جاتے ہیں۔ شاعری کے یہ موضوعات جدید قدروں اور عصری حسّیت کی نمایندگی تو نہیں کرتے۔ لیکن ان واردات اور احساسات کو برجستگی، شائستگی اور سلیقہ مندی سے شعری قالب میں ڈال کر پیش کر دیا جائے تو قاری آہ اور واہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ رازؔ صاحب کے متعدّد اشعار میں اسی نوعیت کی رنگا رنگ، مسرت انگیز اور مسحور کُن کیفیتیں ذہن ودل کو متاثر کرتی ہیں۔ وہ اپنے جذبات وتصوّرات کو سلیس انداز میں بیان کرنے کا ہُنر جانتے ہیں اور پیکرِ خیال کو موزُوں الفاظ اور برمحل تراکیب سے مزیّن کر کے پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ رازؔ لائل پوری صاحب کا پہلا مجموعۂ کلام "آئینۂ راز" ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا اور ملک کے ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ اب ان کی دوسری تصنیفِ لطیف "راز ونیاز" زیرِ اشاعت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ناقدانِ فن اور شیدائیانِ شعروسخن اِن کے طرزِ نگارش کو داد وتحسین سے نوازیں گے۔

2269 سیکٹر نمبر 28

فرید آباد

یکم مئی ۱۹۸۵ء

بخشی اختر امرتسری

"استفسار و جواب"

بج اُٹھا کس کی شاعری کا ساز — جنّتِ گوش جس کی ہے آواز
کس کی تصنیف ہے یہ "راز و نیاز" — کس نے کھولے ہیں حُسن و عشق کے راز
سرِّ اصل و مجاز سمجھائے — کون ہے آشنائے اصل و مجاز
کس نے بے خوف ہو کے سُلجھائے — گیسوئے حُسنِ شاطر و طنّاز
کس نے بھر کر دیئے ہیں جام پہ جام — کس نے میخانہ کے کئے در باز
وجد کرنے لگے بزرگ و خُورد — انجمن میں ہے کون نغمہ طراز
سُن کے خوش وقت ہو رہے ہیں سب — گونج اُٹھے داد سے نشیب و فراز
کیوں نہ تحسیں کا غُل ہو ہر جانب — ہے یہ انعامِ کاروکاوشِ راز

اختر اربابِ فن میں ہوں مقبول
باغِ "راز و نیاز" کے یہ پھول

کیو ۲۳ ملکہ گنج دہلی نمبر ۷
۱۵ مئی ۱۹۸۵ء

مشیر جھنجھانوی

پیش لفظ

اُستادِ محترم اعتبار الملک جانشین امیر مینائی حکیم ضمیر حسن خاں دل شاہجہانپوری (مرحوم) اور آنجہانی لبھو رام جوش ملسیانی کے برادرانہ اور مخلصانہ مراسم مجھے آج تک یاد ہیں۔ جوش ملسیانی دل شاہجہانپوری کو پابندی کے ساتھ خط لکھا کرتے تھے۔ عام طور پر یہ خط خیریت نامے ہوا کرتے تھے کسی کسی خط میں دونوں بزرگ اساتذہ ادبی مسائل پر بھی استفسار کرتے تھے۔ حضرت اُستاد اپنی پیرانہ سالی اور ضعفِ بصارت کے سبب خط لکھنے سے معذور تھے۔ چنانچہ اُن کی طرف سے میں ہی خطوط کے جوابات لکھا کرتا تھا۔ اس طرح میں حضرتِ جوش ملسیانی سے زمانہ طالب علمی ہی سے واقف ہوں۔ اور ابتداء ہی سے میرے دل میں ان کے لئے جذبۂ ادب و احترام موجزن تھا۔ جب میں ۱۹۵۰ء میں مستقل طور پر دہلی آگیا تو اکثر بڑے مشاعروں میں ان سے نیاز حاصل ہوتا رہا۔ اُستادِ محترم کے سلسلے سے وہ بھی مجھے ہمیشہ بزرگانہ شفقت سے نوازتے رہے۔ آنجہانی برادرِ محترم جناب بال مکند عرش ملسیانی سے بھی میرے برادرانہ مراسم تھے۔ اسی خاندان کے ایک اور محترم شاعر حضرتِ ساحر ہوشیارپوری سے بھی اسی تعلقِ روحانی کے سبب بہت زیادہ دلی قربت ہے۔ اور جناب راز لائل پوری جناب ساحر ہوشیارپوری کے شاگردِ رشید ہیں۔ اس لئے ہر اعتبار سے مجھے عزیز ہیں۔ بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک مخصوص شعری نشست میں ساحر صاحب کے ہمراہ راز صاحب سے بھی

ملاقات ہوئی۔ راز صاحب کی سنجیدگی، متانت، وضعداری اور رکھ رکھاؤ کو دیکھ کر میں نے اُن کے اشعار سُننے سے پیشتر ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ان کی شاعری بھی روایتی اور کلاسیکی وضعداری کی سخت پابند ہوگی اور اُن کے یہاں بے معنی جدیدیت کی سعیٔ لاحاصل بھی نہیں ہوگی۔ میری رائے درست نکلی۔ اُن کے اشعار سُن کر اندازہ ہوا کہ وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اور اُن کا کلام تمام فنی معائب سے پاک ہے۔ جناب رازؔ لائل پوری کی شاعری اُن کے پُر وقار اور حسین کردار کی آئینہ دار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اچھا انسان ہی اچھا شعر کہہ سکتا ہے۔ خُمریات کے رنگ میں بھی رازؔ صاحب ایک رندِ سرشار کی جگہ ایک رندِ خوش گفتار نظر آتے ہیں۔ میخانۂ شعر و سخن میں اکثر کیف و سُرور کے عالم میں وہ مہکتے اور چہکتے تو ہیں مگر بہکتے نہیں۔ اُن کی لغزشِ رندانہ بھی نشۂ صہبائے ادب سے سرشار ہے۔ میں اِسے اُن کی خاندانی اعلیٰ ظرفی سے تعبیر کروں گا۔ یہ وصف انھیں یوں ہی حاصل نہیں ہُوا۔ وہ ایک مجلسی کردار کے حامل ہیں۔ پیرانِ میخانۂ فن کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ بزرگوں کے اشاروں پر چلے ہیں۔ اور بزرگوں سے دُعائیں لی ہیں۔ آج کے بدلتے ہوئے حالات میں بھی رازؔ صاحب اپنی وضع پر قائم ہیں۔ اور اِس مادّی دُنیا میں بھی وہ روحانیت کے متلاشی نظر آتے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعۂ کلام "ساز و نیاز" غزلیات، رباعیات اور قطعات پر مُشتمل ہے۔ ان تینوں اصنافِ سُخن میں رازؔ کا ایک ہی انداز اور ایک ہی لب و لہجہ ہے۔ ان کے اشعار ظاہری حُسن و تکلف، رمز و اشاریت اور بناوٹ کی بازی گری سے بے نیاز ہیں اور یہ بات انھیں خاندانِ داغؔ سے ورثہ میں ملی ہے۔ نہایت سادگی اور پُرکاری کے ساتھ جذبات کا براہِ راست اعلان و اظہار اُن کا شیوہ ہے۔ رازؔ صاحب کے یہاں تخلیقی کرب نہیں اس لئے اُن کے کلام میں نہ کہیں اُلجھاؤ ہے اور نہ کہیں اضطراب ہے۔ اُن کی شاعری پُرسکون خواب آور اور مسرّت بخش ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ

رآز صاحب اپنی خوشحال زندگی سے اس قدر مطمئن رہے ہیں کہ وہ ترقی پسندوں کے بنیادی نظریاتِ شاعری سے کبھی متفق نہیں ہوئے۔ اُن کے دامن پر نہ تو سُرخ دھبے ہیں اور نہ اُن کی پیشانی پر پسینے کے سُرخ قطرے نظر آتے ہیں۔ اِس لئے اُن کی شاعری میں بے نام اضطراب اور فرار کا شائبہ تک نہیں۔ جہاں تک پیچیدگیٔ مضامین کا تعلق ہے وہ بھی رآز صاحب کے دل کی طرح صاف ہے۔ ان کے کلام میں تنوّع نہ سہی مگر یک رنگی بھی تو ایک رنگ ہے بقولِ سودا ؎

یک رنگ ہوں آتی نہیں خوش مجھکو دورنگی
منکرِ سخن وشعر میں ابہام کا ہوں میں

رآز صاحب کا کلام سطحی جذبات سے پاک ہے اُن کا ایک شعر بھی مخربِ اخلاق نہیں ٹھہرایا جاسکتا اُن کا کلام کسی بھی پہلو سے مُضر نہیں۔ وہ محبت بھی کرتے ہیں اور محبت کئے جانے کے بھی لائق ہیں۔ وہ کشادہ دل اور وسیع المشرب ہیں ؎

ہر شخص مُشیر آئے یہاں شوق سے آئے
ہم نے درِ میخانہ کھُلا چھوڑ دیا ہے

صاحبِ نظر قارئین کے لئے رآز صاحب کے چند اشعار نقل کرتا ہوں ؎

خطائیں تو اوروں سے ہوتی رہیں
وہ الزام اپنوں پہ دھرتے رہے
خدا کا کرم رآز اُن پر رہا
جو اوروں کے دُکھ دُور کرتے رہے

بنی ہوئی ہے نگاہِ ساقی خُمار وکیف وطرب کا مرکز
اسی سے محفل میں جلوہ افشاں شراب کا آبشار سا ہے

رُباعی

ہے گلشنِ خوش رنگ جہانِ اُردو
رنگینیٔ فردوسِ بیانِ اُردو
نازاں نہ ہوں کیوں اس پہ سبھی اہلِ ادب
ہر طور سے دلکش ہے زبانِ اُردو

مجھے یقین ہے کہ رازؔ صاحب کا یہ دوسرا مجموعۂ کلام بھی حلقۂ ادب میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۱۴۷۸ پہاڑی راجان
بازار چتلی قبر دہلی ۶

۱۴
۱۲
۶۸۱۴

ڈاکٹر زار علامی

"میرے تاثرات"

راز لائل پوری ایک خوش ادا اور خوش اخلاق شاعر ہیں۔ مجھ سے کئی بار مِل چکے ہیں۔ قطع نظر اِس سے کہ وہ کِس مقام کے شاعر ہیں اُن کا خاص جوہر جو ان مختصر ملاقاتوں میں مجھ پر آئینہ ہُوا، یہ ہے کہ وہ حسبِ مراتب احترام کرنا بھی جانتے ہیں اور بے تکلف ہونا بھی، راز، حضرت ساحر ہوشیار پوری کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہونے کے علاوہ حضرت بخشی اختر امرتسری سے بھی فیض یاب ہیں۔ دونوں بزرگ اپنی اپنی فنّی صلاحیتوں کے سبب اُردو ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ چُوں کہ ساحر و اختر دونوں اصحاب خُوب جانتے ہیں کہ زبان و بیاں کی پابندیوں اور فنّی قیود میں رہ کر شعر تخلیق کرنا کتنا مشکل ہے۔ لِہٰذا انھوں نے اُردو ادب کے اِس اِنحطاطی دَور کے مزاج کو یہ سمجھتے ہوئے بہ اچھا ہی کیا کہ راز کو اُن نزاکتوں میں نہیں اُلجھایا۔ ورنہ اُردو اَدَب شاید ایک ایسے شاعر سے جس کے کلام رنگا رنگی سے محرُوم رہ جاتا۔ میں نے غالباً دو یا تین نشستوں میں موصُوف کا دِل پذیر اور نظر افروز کلام سُنا ہے۔ پڑھنے کا انداز خُوب ہے۔ راز کے کلام میں صوری و معنوی محاسن کا تعیّن تو حسبِ استعداد اہلِ نَظَر خُود فرمالیں گے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اِس گُل دستہ میں ہر رنگ اور ہر بُو کے پھول موجود ہیں۔ دُعا گو ہوں کہ اَدَبی حلقوں میں یہ مجمُوعہ بھی ان کے سابقہ مجموعۂ کلام کی طرح مقبولیت کی میزان پر تُل کر مستحق داد و ستائش ٹھہرایا جائے۔

میڈیکل آفیسر سیوا سمتی فری اسپتال

ارجن گیٹ کرنال

آر۔ ایل۔ بخشی ساحر امرتسری ایڈوکیٹ

رازِ بستہ

رازِ سربستہ کہیں تصنیفِ رازؔ
حُسن کے جلووں کا پرتو، مرکزِ انداز و ناز
ہے مئے اصل و مجازی کا یہ ساحرؔ میکدہ
پینے والے پی رہے ہیں بادۂ اصل و مجاز

بازار کھلونیاں امرتسر
۲۲ مئی ۱۹۸۵ء

اِندرجیت گاندھی

"رازؔ بھی نیاز بھی"

ہے یہ تصنیفِ رازؔ، "راز و نیاز" | صفحہ صفحہ پہ ہے پیام نیا
جھوم اُٹھیں گے اِس کو سب پڑھ کر | اِس کے دامن میں ہے کلام نیا

ہے دُعا میری، رازؔ کی تصنیف | جلوہ افگن بشکلِ طُور رہے
گاندھیؔ اس کو سبھی لیں ہاتھوں ہاتھ | ساری دُنیا میں اِس کا نُور رہے

صدر سنٹرل مجلسِ ادب (رجسٹرڈ)
2634 بستی پنجابیان سبزی منڈی دہلی۔ 7

25/5/85

حمد و دُعا

خالقِ کائنات ایک نظر
مالکِ ہر حیات ایک نظر

اے میرے خُوش صفات ایک نگہہ
اے میرے پاک ذات ایک نظر

ہمہ تن چشم اِنتظار ہُوں میں
از رہِ التفات ایک نظر

مُبتلائے عذابِ ہستی ہُوں
اے سراپا نجات ایک نظر

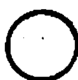

ہمیں لفظِ عداوت سے عداوت ہوتی جاتی ہے
محبت کی طرف مائل طبیعت ہوتی جاتی ہے

مری ہستی سے اُن کو جتنی نفرت ہوتی جاتی ہے
مجھے اُتنی ہی یارب اُن سے اُلفت ہوتی جاتی ہے

کبھی آہیں، کبھی نالے، کبھی گریہ، کبھی زاری
محبت جس کو سمجھے تھے مُصیبت ہوتی جاتی ہے

وہ جب تھے پاس قسمت اپنی سوئے اوج تھی مائل
تنزّل کی طرف اب اپنی قسمت ہوتی جاتی ہے

"نہ جانے کیا بنے اب قلب وجاں پر خیر ہو یارب
ہمیں پھر اُس ستمگر سے محبت ہوتی جاتی ہے"

ہوئی ہے اِس قدر شِدّت جنُوں میں آجکل اے رازؔ
کہ اُن کے ذکر تک سے دل کو نفرت ہوتی جاتی ہے

○

"شورِ عطش جو پھولوں کی ہر انجمن میں ہے
کیفیتِ بہار کی شدّت چمن میں ہے"

فیضِ نسیم سے ہیں کھِلے گُل رَوِش رَوِش
فردوس کی بہار ہمارے چمن میں ہے

مستی میں کیوں نہ جھُومیں، یہ شہزادگانِ باغ
شہزادیٔ بہار جو رقصاں چمن میں ہے

وہ کیفیت کہاں ہے مئے نوکشید میں
جو لُطف، جو مزا، کہ شرابِ کہن میں ہے

ہر بَیت ایک پھول ہے، ہر نظم ایک باغ
کس کا جمال میری بہارِ سخن میں ہے

شہنازِ گُل، بتادے ذرا اہلِ شوق کو
خوشبو یہ کِس بدن کی تیرے پیرہن میں ہے

ساحر کے فیض و لطف سے کہہ لیتا ہے غزل
اب راز کا شمار بھی اہلِ سخن میں ہے

اُسی کی عزّت ہے میکدے میں جو رندِ بادہ گُسار سا ہے
اُسے نہیں پوچھتا کوئی بھی جو صُوفیٔ خشک و پارسا ہے

بنا ہُوا ساقیٔ انجمن کا، وہ دیدۂ مست کار رسا ہے
کسی پہ چھایا ہے کیف یکسر، کسی پہ طاری خُمار سا ہے

لُنڈھا رہا ہے قدح کشوں پر، شراب کے خم پہ خم وہ ساقی
جو گھِر کے چھایا ہے میکدے پر، وہ ابر بھی دجلہ بار سا ہے

جو ساغرِ مے لیا ہے ہم نے، جو جامِ صہبا پیا ہے ہم نے
ہے اُس میں اُن کی نظر کی مستی، وہ جامِ مے خوشگوار سا ہے

بنی ہوئی ہے نگاہِ ساقی، خُمار و کیف و خوشی کا مرکز
اسی سے محفل میں جلوہ افشاں، شراب کا آبشار سا ہے

ہمیں ہو جنّت کی آرزو کیا، ہمیں اِرم کی ہو جُستجو کیا
کہ میکدہ ہی نظر میں اپنی، جہاں میں دارُالقرار سا ہے

نہ کر تو فکرِ حساب ساقی، بہا دے نہرِ شراب ساقی
کہ راز آیا ہے میکدے میں جو رند دریا گُسار سا ہے

مناسب ہے کہ خُوش ہر طالبِ دیدار ہو جائے
مگر جلوا نہ یُوں رُسوا سرِ بازار ہو جائے

نہ بھُولے سے قدم رکھیں تری محفل میں ہم ساقی
اگر آنکھوں سے مے پینا وہاں دُشوار ہو جائے

جو رُوحِ زندگانی ہو، جو مرکز ہو تمنّا کا
کریں ہم کیا وہی جو برسرِ پیکار ہو جائے

اِسے میں جور سمجھوں، یا کرم، طُرفہ تماشا ہے
کبھی اِقرار ہو جائے، کبھی اِنکار ہو جائے

یہ کیا انداز ہے تقسیمِ مے کا تیری محفل میں
کوئی تشنہ رہے ساقی، کوئی سرشار ہو جائے

ترستے تھے سُنانے کو جسے ہم داستانِ دل
زہے قسمت اگر اب وہ غم خوار ہو جائے

وہی جھوٹی تسلّی ہے وہی حیلے حوالے ہیں
ہزاروں دل کسی پیماں شکن نے توڑ ڈالے ہیں

ہماری عرض سُن کر اُس نے بل چتون پہ ڈالے ہیں
ہمارے قتل کرنے کے لئے خنجر نکالے ہیں

کوئی دیکھے اگر شیخ و برہمن کو تو یہ سمجھے
کہ یہ اللہ کے بندے، بڑے اللہ والے ہیں

کچھ اس انداز سے تشریح فرماتے ہیں دوزخ کی
کہ جیسے حضرتِ واعظ وہیں کے رہنے والے ہیں

نہیں درکار اے چارہ گرو مرہم محبت کا
کسی کے پاؤں میں ہوں گے ہمارے دل میں چھالے ہیں

نظر آتے ہیں لہراتے ہوئے گیسو جو شانے پر
ہماری جان لینے کو کسی نے سانپ پالے ہیں

ہمیں اے رازؔ کیا واسطہ پرہیزگاروں سے
ہمارے حلقۂ احباب میں سب پینے والے ہیں

○

ہمیں بندہ ساقی کا ہونا پڑے گا
شب و روز میخانہ دھونا پڑے گا

جو پیچھا نہ چھوڑا ہمارا غموں نے
اِنھیں جامِ مے میں ڈبونا پڑے گا

جنوں کے کرشمے اگر دیکھنا ہیں
تو ہر طور سے ہوش کھونا پڑے گا

مزا وصل کا تلخیٔ ہجر سے ہے
یہ نشتر بھی دل میں چبھونا پڑے گا

دِل آزادِ احساس اے نازؔ کر لے
نہ ہنسنا پڑے گا، نہ رونا پڑے گا

○

کیا غرض اس سے کہ تُم سے ہیں ستمگر کتنے
دیکھنا یہ ہے کہ دُنیا میں ہیں دِلبر کتنے

فرقتِ دوست میں دیکھا جو مرا حالِ حزیں
رات بھر روتے رہے چرخ پہ اختر کتنے

سوختہ بخت چلے آئے ہیں گُل چیننی کو
دیکھئے ملتے ہیں گلشن میں گُلِ تر کتنے

عِشق اور حُسن کے کردار سے یہ ظاہر ہے
آئینے کتنے ہیں دُنیا میں ہیں پتھر کتنے

رات بھر ہوتا رہا ساقیٔ سرمست کا لُطف
کیا کہوں اُس نے پلائے مجھے ساغر کتنے

سخت جانی کا بُرا ہو مجھے مرنے نہ دیا
نظرِ شوخ چلاتی رہی خنجر کتنے

جوش پر ہوتا ہے اے رازؔ کبھی یہ خاموش
"رات بھر رُوپ بدلتا ہے سمندر کتنے"

آج برسی ہے سرِ میکدہ برسات نئی
تُو بھی رندوں کو پلا پیرِ خرابات نئی

ہوتے ہوتے میں اُسے راہ پہ لے آؤں گا
ساقیٔ نو سے ابھی تو ہے مُلاقات نئی

مے کی چھاگل لیئے پھرتے ہیں فلک پر بادل
آج برسائیں گے صہبا کی یہ برسات نئی

جسے پینی ہے، پیئے نام ہمارا لے کر
آؤ میخانہ میں بکھر جائیں ہدایات نئی

تیرے میخانے کے آداب بجا، اے ساقی
کیوں نہ جاری ہو کوئی رسمِ خرابات نئی

کوئی مے نوش بھی منّت کشِ ساقی نہ رہے
آج میخانے میں جاری ہوں رسومات نئی

خُم کبھی پھر سہی، فی الحال یہ بوتل ہے بہت
بادہ نوشی کی ابھی ہے یہ شروعات نئی

جو بھی گذرے رہِ میخانہ سے پی کر گذرے
کاش، اپنائیں سبھی رسمِ خرابات نئی

ٹھہرو، ٹھہرو، مجھے دو گھونٹ تو پی لینے دو
پھر سُناتا ہوں تمھیں کاوشِ جذبات نئی

جو بھی اُٹھے تری محفل سے وہ سرمست اُٹھے
ساقیٔ وقت دِکھا کوئی کرامات نئی

کیوں نہ موضوعِ سُخن اپنا نیا ہو اے رازؔ
ہم نے پی رکھی ہے صہبائے خیالات نئی

وہ رشکِ ماہ، سرِ راہ بے نقاب مِلے
یہ آرزو ہے بکف جامِ آفتاب مِلے

ریاضِ خُلد ہو یا میکدہ ہو دُنیا میں
جہاں بھی جائیں ہمیں ساغرِ شراب مِلے

شراب نوش، جنوں کار، وحشی، آوارہ
ہمیں یہ حُسن کے دربار سے خطاب مِلے

یہ فیضِ عام ہے ساقی کا، مُبخل کیا معنی!
بہ قدرِ ظرف ملے، جس کو بھی شراب مِلے

دو ایک جام سے لب تر نہ ہوں گے اے ساقی
ہمیں شراب ملے، اور بے حساب مِلے

سر ترے در سے اُٹھاؤں تو میرا نام نہیں
اپنی بگڑی نہ بناؤں تو میرا نام نہیں

آپ احوالِ دلِ زار تو پُوچھیں صاحب
چیر کر دل نہ دکھاؤں تو میرا نام نہیں

تم مرے پیار پہ کُچھ ناز تو کر کے دیکھو
نازِ بے جا نہ اٹھاؤں تو میرا نام نہیں

نگہِ مست اگر ساتھ دے میرا ساقی
میکدہ لے کے نہ جاؤں تو میرا نام نہیں

مُجھ کو بُھولے سے کبھی یاد تو کر کے دیکھو
سر کے بَل دوڑ نہ آؤں تو میرا نام نہیں

○

جس پر نگاہ بزم میں پیرِ مُغاں کی ہے
سمجھو کہ اُس سے دُور نظر آسماں کی ہے

ہوں گے نہ جب ہمیں تو یہ نام ونشاں ہیں کیا
بے فائدہ ہے فکر جو نام ونشاں کی ہے

ہم اُٹھ کے کُوئے دوست سے جائیں نہ سُوئے خُلد
جنّت سے خوب تر گلی اُس دِلستاں کی ہے

سبقت نہ لے سکے کوئی ہم سے کمال میں
دُنیا میں آرزُو یہی ہر اک جواں کی ہے

اپنی نہیں ہے فکر ہمیں مُطلقاً کوئی
ہاں! فکر ہے اگر تو سارے جہاں کی ہے

ہر اک سخن پہ ہوتا ہے وہم وگُماں اُسے
دنیا یقین کی نہیں وہم وگُماں کی ہے

تسلیم راز سب کو ہے دعوئے یہ داغ کا
سارے جہاں میں دُھوم ہماری زباں کی ہے

پئیں گے کچھ بھی نہ صہبائے رنگ و نُور کے بعد
کچھ اور چاہیئے کیا ہم کو اس سُرور کے بعد

غضب ہے تابِ تماشا نہ لا سکے مُوسیٰ
نگاہیں ہو گئیں خیرہ ظہُورِ نُور کے بعد

وفورِ شوق میں ہم سے ہُوئی خطا پہ خطا
معاف کرتے رہے وہ ہر اک قصُور کے بعد

ابھی تو پینے دے اے شیخ، ہم کو جام پہ جام
خُمار سے بھی نپٹ لیں گے، اِس سُرور کے بعد

اک آپ عشق میں ثابت قدم رہے اے رازؔ
نہ کامیاب ہُوا کوئی بھی حضُور کے بعد

دردِ دل کی دوا نہیں ہوتی
دردِ دل سے شفا نہیں ہوتی

ہر نظر کو نہ پارسا سمجھو
ہر نظر پارسا نہیں ہوتی

کون کہتا ہے مجھ پہ شامِ الم
کوئی نازل بلا نہیں ہوتی؟

کیا تمسخر ہے چشم ساقی سے
بادہ نوشی ادا نہیں ہوتی

عشق میں جان دینے والوں کو
آرزوئے بقا نہیں ہوتی

پہلے سا وہ کرم نہیں کرتے
پہلی سی کیوں جفا نہیں ہوتی

عشق و اُلفت کی راہ میں اے رازؔ
کس کو حاصل قضا نہیں ہوتی

دردکی ترجمان ہوتی ہے
خامشی بھی زبان ہوتی ہے

جب اُچھلتا ہے کاگ بوتل سے
کتنی دِل کش اذان ہوتی ہے

ہم محبت میں چپ ہی رہتے ہیں
بے زبانی زبان ہوتی ہے

عِشق کی داستان کہنے کو
خامشی ہی زبان ہوتی ہے

صحنِ گلشن میں موجِ بادِ صبا
حُسن کی رازدان ہوتی ہے

عشق میں ہر گھڑی یہ جان اے رازؔ
صیدِ صد امتحان ہوتی ہے

○

تصوّرات میں دل کو لبھا رہا ہے کوئی
نہ آ رہا ہے کوئی اور نہ جا رہا ہے کوئی

برس رہی ہے گھٹا اور چمک رہی ہے برق
"کسی کی آنکھ ہے نم مُسکرا رہا ہے کوئی"

نہ پینے والوں کی جانب نظر نہیں اُس کی
جو پینے والے ہیں اُن کو پلا رہا ہے کوئی

بشکلِ شمس و قمر انجم و گُل و لالہ
ہزار رنگ میں جلوے دکھا رہا ہے کوئی

وہ آنکھیں ہیں کہ چھلکتے ہوئے ہیں پیمانے
میں پی رہا ہوں کہ مُجھ کو پلا رہا ہے کوئی

جہاں کے پردے پہ تصویر کار کون ہے رازؔ
بنا بنا کے جو شکلیں مٹا رہا ہے کوئی

لہُو کے اشک رُلاتی ہے میری ذات مُجھے
جو یاد آتے ہیں ماضی کے واقعات مُجھے

جلا کے راکھ نہ کر دے غمِ جُدائی میں
کہ شعلہ سی نظر آتی ہے کائنات مُجھے

ہزار بار سمجھنے کی یوں تو کوشش کی
سمجھ میں آئی نہ دُنیائے بے ثبات مجھے

کھلایا کرتا ہوں قرطاس پر گُلِ مضمون
اِسی لئے تو ملے خامہ و دوات مُجھے

نقاب اُٹھ گئی محفل میں تو یہ راز کھُلا
کہ دیکھتی تھی کوئی چشمِ التفات مُجھے

جہانِ زیست کی ہر کشمکش سے گھبرا کر
پسند آیا ہے گہوارۂ ممات مجھے

چٹان کی طرح قائم ہوں بحرِ اُلفت میں
ڈرائیں زآن نہ اِس کی تموجات مجھے

اِس بے وفا جہاں میں کوئی باوفا مِلے
اے کاش ہم کو کوئی تو دردآشنا مِلے

یہ ہر کسی کے اپنے مقدّر کی بات ہے
خوشیاں مِلیں کسی کو کسے غم سِوا مِلے

اے نامہ بر اُسی کا ابھی تک ہوں مُنتظر
کہنا اُسے کہیں وہ اگر بے وفا مِلے

ہم بندۂ وفا ہیں، کئے جائیں گے وفا
بے شک وفا کے بدلے میں ہم کو جفا مِلے

خوددار تھے، کسی کو بنایا نہ رہنما
ویسے تو ہم کو خضر سے بھی رہنما مِلے

بیٹھا ہُوا ہے گوشۂ میخانہ میں یہ رازؔ
جامِ شراب اِس کو بھی تو ساقیا مِلے

ریاضِ دہر میں جب رُت بہار کی آئی
صبا بھی آئی چمن میں تو جھومتی آئی

قدم قدم پہ اندھیرے میں ٹھوکریں کھائیں
تم آ گئے تو نگاہوں میں روشنی آئی

نجات مل گئی یکسر غمِ زمانہ سے
جب اپنے سامنے بوتل شراب کی آئی

قدم قدم پہ دیئے دوستوں نے لاکھ فریب
میرے خلوص میں لیکن نہ کچھ کمی آئی

بساطِ دہر میں سادہ شعار لوگ تھے ہم
نہ رہبری ہمیں آئی، نہ رہزنی آئی

سوال یہ نہیں کیوں باغباں ہوا گم سُم
سوال یہ ہے کہ پھولوں کو کیوں ہنسی آئی

وہ اور تھے جنھیں بھر بھر کے جام اُس نے دیئے
ہمارے حصّے میں اے رازؔ تشنگی آئی

دیکھ کر ساقیٔ میکشاں جل گیا
ہم نے وہ پی کہ پیرِ مغاں جل گیا

سوزِ غم سے دلِ ناتواں جل گیا
وہ یہ کہتے ہیں، دیکھوں، کہاں جل گیا

مجھ کو دِل کے تو جلنے کا کچھ غم نہیں
غم تو یہ ہے کہ اُن کا مکاں جل گیا

آتشِ ہجر کی شعلہ افشانیاں
جل گیا، عاشقِ ناتواں جل گیا

سُن کے تعریفِ گُلزارِ کوئے بُتاں
باغِ فردوس کا باغباں جل گیا

ایسا پھُونکا مجھے آتشِ عشق نے
زندگی کا میری ہر نشاں جل گیا

جادۂ عشق کی گرمیاں الاماں
رہنما جل گیا، کارواں جل گیا

جانے کیوں میری خوش بختیاں دیکھ کر
یہ زمیں جل گئی، آسماں جل گیا

دیکھ کر رازؔ کی کامیابی عدو
جل گیا، جل گیا، بے گماں جل گیا

○

جو بھی نگاہِ حُسن کے بیمار ہو گئے
دُنیا کے کاروبار سے بیکار ہو گئے

تا عُمر ہو سکا نہ میسّر قرار پھر
دل پر نگاہِ ناز کے جب وار ہو گئے

اُن کے بغیر باغ میں اپنا یہ حال تھا
گُلہائے باغ اپنے لئے خار ہو گئے

پل بھر مری جدائی گوارہ نہ تھی جنھیں
اب کیوں وہ میری شکل سے بیزار ہو گئے

جو تھے نشانِ راحت و آرام جان و دل
اللہ! کیوں وہ درپئے آزار ہو گئے

کہتے ہیں پیار کرنا کسی سے بُرا نہیں
ہم تو مگر اِسی سے گُنہگار ہو گئے

سرگرم فکرِ شعر ہوئے رازؔ جب کبھی
موزُوں پھر اپنے آپ ہی اشعار ہو گئے

○

جو تیرگیٔ شب میں رخشندہ ستارے ہیں
گیسو کسی مہ وش نے افشاں سے سنوارے ہیں

گلزارِ محبت میں یہ حال دلوں کا ہے
کچھ پھول ہیں صد برگہ، کچھ پھول ہزارے ہیں

بس نفع ہی نفع ہیں بازارِ محبت میں
یہ کس نے کہا تم سے گھاٹے ہیں خسارے ہیں

خم چیز ہے کیا ساقی میخانہ ہی پی جائیں
اک ایک سے بڑھ چڑھ کر احباب ہمارے ہیں

رہتے تھے کبھی ہم تم موجوں کی طرح مل کر
اب تو ہیں جدا جیسے دریا کے کنارے ہیں

ہاں خُم جو اُتر جائے سب راز اُبھر آئے
فی الحال گلے سے تو دو گھونٹ اُتارے ہیں

ہم شاد تھے، زندہ تھے، جب تھے وہ قریب اپنے
ناشاد ہیں، مُردہ ہیں، جب سے وہ سِدھارے ہیں

کہتے تو ہیں آنے کو لیکن وہ نہیں آتے
وعدے بھی حسینوں کے جھُوٹے ہی سہارے ہیں

کچھ وہ بھی سفینے ہیں جو بحرِ حوادث میں
موجوں نے ڈبوئے ہیں طُوفاں نے اُبھارے ہیں

اے رازؔ خدارا رکھئے برپا نہ قیامت ہو
"پھر گردشِ دوراں نے کچھ فتنے اُبھارے ہیں"

ہاں! بہرِ خدا ڈالو نہ تُم ترچھی نظر آج
ہو جائے نہ یہ نظمِ جہاں زیر و زبر آج

مِلنا ہے اگر ہم سے تو مِل جاؤ اِسی وقت
ہے مُلکِ عدم کا ہمیں در پیش سفر آج

اب دیکھنا ہے کس کا چمکتا ہے مقدّر
وہ غیر سے مِلتے ہیں کہ آتے ہیں اِدھر آج

تُم نے تو نہ آنے کی اُٹھا رکھّی تھیں قسمیں
کہئے تو ذرا کیسے نِکل آئے اِدھر آج

اُس حُسنِ منوّر سے تو چُندھیا گئیں آنکھیں
میں دیکھوں اُسے جب جو کچھ آئے بھی نظر آج

وہ اور سرِ بزم رقیبوں کو نوازیں
کیا دیکھ رہی ہے میرے اللہ یہ نظر آج

مِلتی ہے سُبکدوشی کِسے عشق میں اے رازؔ
نِکلے ہیں وہ ہاتھوں میں لئے تیغ و تبر آج

قرباں آپ پر ہے مرا دِل بھی جان بھی
ہر وہم دُور کیجیے صاحب، گُمان بھی

دو رنگیٔ زمانہ کے قربان جاؤں میں
دُنیا مری حریف بھی ہے قدردان بھی

اے بارگاہِ ناز، تُو سجدوں کی لاج رکھ
مٹنے لگے ہیں اب تو جبیں کے نشان بھی

تُو لُٹ گیا ہے راہِ محبّت میں کیا ہُوا
اِس راہ میں لُٹے ہیں کئی کاروان بھی

چشمک زنی کا لُطف تو رہتا ہے رات دن
اُن کے مکاں کے ساتھ ہے میرا مکان بھی

تُو اُس کے نقشِ پا پہ خوشی سے ہو سجدہ ریز
اے رازؔ وہ حسین بھی ہے نوجوان بھی

"مری نوا سے ضمیروں میں انقلاب ہُوا"
مجھی سے دہر میں یہ کارِ لاجواب ہُوا

عدو پہ چشمِ کرم ہر گھڑی رہی اُن کی
ستم یہ ہم پہ ہر اک آن بے حساب ہُوا

وفا کی رسم ہمیں نے سکھائی دُنیا کو
ہمارے نام سے جاری وفا کا باب ہُوا

لیا جو ساقیٔ مہوش نے اپنے ہاتھ میں جام
طلوعِ ماہ کے ہالے میں آفتاب ہُوا

سفینے اوروں کے ساحل پہ جا لگے اے رازؔ
مگر ہمارا سفینہ ہی غرقِ آب ہُوا

میگساری میں کوئی بھی مرا ہمدوش نہ تھا
مجھ بلانوش سا میخانے میں مے نوش نہ تھا

تیری آنکھوں نے بنایا ہے مجھے بادہ پرست
پارسا تھا میں، شرابی نہ تھا، مے نوش نہ تھا

ساقیا ظرف مرا تھا جو رہا پی کے خموش
سب ہی ہنکار رہے تھے کوئی بھی خاموش نہ تھا

کس طرح بھولتا میں آپ کے الطاف و کرم
زیرِ احساں تھا میں، احسان فراموش نہ تھا

خُم و مینا و سبُو سب تھے اداس اے ساقی
کل جو میخانے میں وہ رازِ بلانوش نہ تھا

کیوں ہے وہ چشمِ مے فشاں خاموش
جامِ صہبائے ارغواں خاموش

سرِ محفل ہم اُن سے دل کی بات
کہہ نہ پائے، رہی زباں خاموش

پیشِ دیوانگانِ عشق یہاں
ہے زبانِ خرد وراں خاموش

ہم قفس سے ابھی تو چھوٹے ہیں
کیوں ہوئی فصلِ گلفشاں خاموش

مست و بیخود پڑے ہیں مستانے
پی کے ہیں جامِ ارغواں خاموش

اُن کے حُسن و جمال کے آگے
"چاند مدّھم ہے آسماں خاموش"

کیوں سفینے ہیں خوفِ طُوفاں سے
لنگر انداز و بادباں خاموش

میری آوازِ طبع کے آگے
ہے طبائعِ سُخنوراں خاموش

راز تُم ہی کوئی سُناؤ غزل
کس لئے بیٹھے ہو میاں خاموش

ہم محفلِ ماتم میں چراغاں نہ کریں گے
بُھولے سے بھی اس طَور کا ساماں نہ کریں گے

گِریاں تو رکھیں گے وہ ہمیں صُورتِ شبنم
پُھولوں کی طرح وہ ہمیں خنداں نہ کریں گے

مرکز بھی نہ پہنچیں گے وہ کوثر کے کنارے
اِس زِیست میں جو خدمتِ رنداں نہ کریں گے

لاکھ اہلِ جہاں مُنکرِ رحمت ہوں مگر ہم
اِنکار ترا رحمتِ یزّداں نہ کریں گے

پیغام ہی بھیجیں گے وہ آئیں گے نہ اے رازؔ
یوں ہم پہ کبھی لُطفِ فراواں نہ کریں گے

دیکھ پاؤ گے بھٹکتا نہ کلالو مجھ کو
جس قدر چاہو، ابھی اور پلا لو مجھ کو

پینے سے روکو نہ اے دیکھنے والو مجھ کو
جب میں گرنے لگوں، ہرگز نہ سنبھالو مجھ کو

میرا ہونے میں اگر شرم سی آتی ہے تمھیں
نہ بنو میرے مگر اپنا بنا لو مجھ کو

تم کو لینا ہے اگر ترش کلامی ہی سے کام
ایک دو جام ابھی اور پلا لو مجھ کو

کہیں ایسا نہ ہو پڑ جائے تمھیں پچھتانا
اپنی محفل سے خدارا نہ نکالو مجھ کو

آتش حسن یہ کہتی ہے رہو مجھ سے پرے
دل کشی کہتی ہے سینے سے لگا لو مجھ کو

دیر و مسجد سے سروکار نہیں ہے اے راز
صحن میخانہ میں جب چاہو بلا لو مجھ کو

ساقیا اِک جام اِدھر بھی، ہم بھی میخواروں میں ہیں
روزِ اوّل سے ترے احسان برداروں میں ہیں

اے مسیحا اِس طرف بھی ایک چشمِ التفات
ہم بھی مُدّت سے تری اُلفت کے بیماروں میں ہیں

حضرتِ عیسیٰ ہمارا کر سکیں گے کیا علاج؟
کیوں کریں تکلیف وہ، ہم عِشق کے ماروں میں ہیں

ہر طرف سے ہم پہ ہیں نقد و نظر کی یورشیں
اے ادب، محصور ہم تیروں میں تلواروں میں ہیں

پیرِ میخانہ سے منوایا ہے اپنے آپ کو
رِندِ دجلہ کش ہمیں اے رازؔ میخواروں میں ہیں

○

دیکھتا ہوں جب میٔ مینائے محفل کی طرف
اُڑ کے وہ آتی ہے مجھ سے رندِ کامل کی طرف

جب بھی جانا چاہتا ہوں، اُن کی محفل کی طرف
میں نکل جاتا ہوں ہر آفت سے منزل کی طرف

خیر ہو، اِس کی خُدایا، خیر ہو، ہاں خیر ہو
دیکھتے ہیں وہ کنکھیوں سے میرے دل کی طرف

ہو نہ ایسا ڈوب جائے اب سرِ ساحل کہیں
مُوجیں کشتی کو لئے جاتی ہیں ساحل کی طرف

ڈال دو کشکول میں لطف و کرم کی بھیک کچھ
قہر کی نظروں سے تم دیکھو نہ سائل کی طرف

پیشِ داور آئے ہیں شاہد شہادت کے لئے
کچھ تو بسمل کی طرف ہیں، کچھ ہیں قاتل کی طرف

مشکلیں گرداب کی آسان ہو جاتی ہیں راز
اہلِ دل جرأت سے جب بڑھتے ہیں ساحل کی طرف

○

جو لوگ اُلفتِ ہر فتنہ گر سے گزرے ہیں
بڑے مزے میں ہیں وہ شورو شر سے گزرے ہیں

ہم اپنے ہوش میں آئیں تو کس طرح آئیں
کسی کے جلوۂ صہبا اثر سے گزرے ہیں

رہی نہ بادہ کشی کی کچھ آرزو ساقی
کہ جب سے تیری نشیلی نظر سے گزرے ہیں

قدم قدم پہ دیا ساتھ شان و شوکت نے
جدھر سے گزرے ہیں ہم کرّ و فر سے گزرے ہیں

اگر مگر سے ہمیں کچھ غرض نہیں اے راز
اگر مگر کے فریب و اثر سے گزرے ہیں

دِل میں حسرت ہے کوئی اور نہ ارماں کوئی
اک تمنّا ہے دِکھادے رُخِ تاباں کوئی

ایک دو جام سے بھرتی نہیں نیّت میری
سامنے رکھ دے میرے لا کے خُمستاں کوئی

ہاں ستم، اور ستم، اور ذرا مشقِ ستم
آپ کے دل میں نہ باقی رہے ارماں کوئی

واعظ و شیخ کے نرغے میں پھنسا ہُوں یارو
لے چلو مجھ کو سُوئے محفلِ رنداں کوئی

اس سے بڑھ کر کوئی کیا خواب پریشاں ہوگا
"خوابِ ہستی سا نہیں خوابِ پریشاں کوئی"

نغمہ خوانی میں ہیں مصروف چمن کے طائر
کھُل گیا باغ میں جیسے کہ دبستاں کوئی

اپنی قسمت پہ نہ کیوں فخر کروں میں اے رازؔ
ہم کلام آج ہُوا مجھ سے گل افشاں کوئی

زباں سے بول محبّت کے بولتا ہُوں میں
جو غیر ہیں اُنھیں اپنا بنا رہا ہُوں میں

میرے وجود سے ہے خالقِ جہاں کی نمُود
"خدا نہیں ہُوں مگر مظہرِ خدا ہُوں میں"

اگر وہ ہاتھ سے تلچھٹ بھی دیں تو پی جاؤں
کہ بزمِ زیست میں صہباکشِ رضا ہُوں میں

کبھی پیام تو اُس گُل بدن کا، لے آئے
ازل کے روز سے منّت کشِ صبا ہُوں میں

اِدھر بھی بہرِ خُدا ایک جام اے ساقی
دفورِ تشنہ لبی سے تڑپ رہا ہُوں میں

بغیر اُن کے نہیں لُطفِ زندگی کچھ بھی
وہ کیا خفا ہیں کہ خُود زیست سے خفا ہُوں میں

جہاں میں اہلِ سخن رآز کہتے ہیں مُجھ کو
جنابِ ساحر و اختر کی خاکِ پا ہوں میں

آج نشے میں چُور ہیں ہم
عقل و خرد سے دُور ہیں ہم

آنکھ میں تابِ دید نہیں
طالبِ جلوۂ طُور ہیں ہم

حُسن کی آنکھیں سحر طراز
محفل میں مسحُور ہیں ہم

اپنے بس میں کچھ بھی نہیں
معذُور و مجبُور ہیں ہم

شوق سے چُومے دار و رسن
دہر میں وہ منصُور ہیں ہم

جلوۂ جنّت حاصل ہے
قیدیٔ زُلفِ حُور ہیں ہم

ہم سے سُہاگ اُن کا ہے راز
مانگ وہ ہیں، سیندُور ہیں ہم

نس نس میں مری مے کی روانی تو نہیں ہے
بے کیف مگر دورِ جوانی تو نہیں ہے

کِس آس پہ میں پھر دُعا ہاتھ اُٹھاؤں
یارب مری تُو نے کبھی مانی تو نہیں ہے

کچھ اور نوازش بھی کر، اے پیرِ خرابات
تُو نے جو پلائی ہے وہ پُرانی تو نہیں ہے

دو گھونٹ سے کیوں چہرے پہ آجائے نہ سُرخی
یہ بادۂ گُل رنگ ہے، پانی تو نہیں ہے

جاری ہے جو گلشن کے نگاروں کی زباں پر
اے بادِ صبا، میری کہانی تو نہیں ہے؟

میرے دلِ ناکام کو یاد آئی ہے کس کی؟
بھُولی ہوئی اُس کی یہ نشانی تو نہیں ہے

بے جا جو کوئی بات کہے بھی تو سُنوں کیوں
رگ رگ میں مری خون ہے پانی تو نہیں ہے

قربان ہُوں تجھ پر، مگر اے حُسنِ طبیعت
کچھ حوصلۂ سحر بیانی تو نہیں ہے

مائل بہ فنا دہر کی ہر چیز ہے اے رازؔ
کہتے ہیں جسے عشق وہ فانی تو نہیں ہے

جو اشک زیب و زینتِ مژگاں نہ ہو سکا
وہ باعثِ مسرتِ خوباں نہ ہو سکا

گردن کو کاٹ کر نہ سُبکدوش کر سکے
ان سے کبھی بھی ہم پہ یہ احساں نہ ہو سکا

بر آئیں سب کی حسرتیں اُس بزمِ ناز میں
پورا مگر ہمارا ہی ارماں نہ ہو سکا

پائے گا کیا قرابتِ حُورانِ خُلد وہ
جو بھی شہیدِ کوئے نگاراں نہ ہو سکا

محفل میں میری چُپ سے بھی پوچھتے ہیں لوگ
کیا بات ہے یہ آج غزل خواں نہ ہو سکا

کیا کر سکے گا بادہ و جام و سبُو کی قدر
اے رازؔ وہ جو شاملِ رنداں نہ ہو سکا

پہلے کچھ بزمِ طرب ناک کا ساماں کر لو
پھر جسے چاہو، اُسے اپنا ثناخواں کر لو

زورِ تخئیل سے نظّارۂ جاناں کر لو
عاشقو، یوُں دلِ ناشاد کو شاداں کر لو

ایک دن ہم بھی پریشان کریں گے تُم کو
جتنا چاہو ہمیں تُم آج پریشاں کر لو

ایک اِک تیر کو ہم دیں گے جگہ سینے میں
تیز تر تُم بھی ہر اک ناوکِ مژگاں کر لو

زندہ رکھّو، کہ کرو قتل، تمھاری مرضی
جو بھی تُم چاہو، میری جان پہ احساں کر لو

رازؔ اگر لینا ہے کچھ اور جراحت کا مزا
دل کے ہر زخم کو مرہُونِ نمکداں کر لو

نہ دِیا جام جو ساقی تری خُود رائی نے
اوک سے کام چلایا ترے صہبائی نے

کب سُنی بات مری اُس بُتِ ہرجائی نے
جان لے لی مری آخر غمِ تنہائی نے

عشق میں صبر و شکیبائی سے جب کام لیا
اُور بیتاب کیا صبر و شکیبائی نے

لاکھ چاہا تھا غمِ ہجر سے حاصل ہو نجات
مجھے مرنے نہ دیا اُن کی مسیحائی نے

ڈھونڈتا پھرتا ہے خود فتنۂ محشر بھی اماں
وہ ستم ڈھائے ہیں اُن کی ستم آرائی نے

جس نے بھی آنکھ اُٹھا کر انھیں دیکھا اے رازؔ
دیکھنے لگ گئے حیرت سے اُسے آئینے

○

خبریں جو تُو نے آنے کی جب اے نگار دیں
ہم نے بھی انتظار میں عُمریں گُذار دیں

ساکن تھی جب ہوا، تو نہ موجوں کا تھا وجُود
صرصر نے سطحِ آب پہ لہریں اُبھار دیں

اہلِ نگاہ کیوں نہ کریں شکریہ ادا
ہم نے عُروسِ دہر کی زُلفیں سنوار دیں

تُم نے ہمیں نہ یاد کیا بُھولے سے کبھی
ہُم نے تُمھاری یاد میں صدیاں گُذار دیں

وہ کیا گئے کہ غُنچوں کو افسردہ کر گئے
جب آ گئے تو باغ میں نکھار دیں

دُنیا میں ہم نے ایک ہی جام شراب سے
سر پر مُصیبتیں جو پڑی تھیں اُتار دیں

ہم نے بساطِ عشق میں جیتی نہ اک بھی راز
رعبِ جمالِ حسن سے سب شرطیں ہار دیں

○

نخل میری آرزو کا اے خدا بے پھل نہ ہو
میرے پاس آجائیں وہ جس روز، اُس کی کل نہ ہو

ہوتے ہوتے کھل ہی جاتی ہے بالآخر ہر گرہ
ہاں! سوال ایسا نہیں کوئی کبھی جو حل نہ ہو

دیکھنے والے پرکھ لے، جانچ لے اچھی طرح
"تو جسے سونا سمجھتا ہے، کہیں پیتل نہ ہو"

کودنے والے، تو ہے تیراک، یہ تسلیم ہے
جو نظر آتا ہے دریا، دیکھ وہ دلدل نہ ہو

بات کہنے کو تو کہہ دوں میں سرِ محفل مگر
شرط یہ ہے آپ کے ماتھے پہ کوئی بل نہ ہو

رونق ہر بزم ہوتی ہے شراب و جام سے
وہ بھی کیا محفل ہے جس میں ساغر و بوتل نہ ہو

دے رہے ہیں تربیت جب ساحر و اختر اسے
پھر بتاؤ راز کیسے شاعرِ اکمل نہ ہو

میخانہ سپردِ بتِ عیّار نہ کر دے
کام ایسا کوئی ساقیٔ مے خوار نہ کر دے

اُلفت میں ہر اک چوٹ کو سہتا ہوں میں ہنس کر
یہ ضبط مرا اُس کو وفادار نہ کر دے

ڈرتا ہوں نہ ہو جائے کہیں خونِ تمنّا
"انکار کا عادی کہیں اِنکار نہ کر دے"

صرصر کو لئے باغ میں آئی ہے خزاں کیوں
برباد کہیں رونقِ گلزار نہ کر دے

میخانہ میں واعظ کو تو آنے ہی نہ دے رازؔ
بے رنگ وہ جامِ مئے گلنار نہ کر دے

کسی کو صُورتِ ساقی نہ جب نظر آئی
شراب خانے میں ہر آنکھ غم سے بھر آئی

ہمیں نہ پوچھا دیئے بھر کے جام غیروں کو
سُلوک دیکھ کے ساقی کا آنکھ بھر آئی

ہمیں کسی کے تغافل نے نامُراد رکھا
ہماری دِید کی حسرت کبھی نہ بر آئی

نہ آئے تُم شب وعدہ نہ موت آئی ہمیں
تمھاری یاد ہی دل جوئی کو مگر آئی

جو ناگہاں اُنھیں دیکھا تو یوں ہُوا محسُوس
کہ جیسے حُور کوئی عرش سے اُتر آئی

فراقِ دوست میں گھبرا کے جان دے دی رازؔ
مِلاپ کی کوئی صورت نہ جب نظر آئی

"کیا کوئی زمانے میں ستمگر نہیں ہوتا"
ہوتا ہے مگر آپ سے بڑھ کر نہیں ہوتا

وہ لطف جو غیروں پہ روا رکھتے ہو ہردم
وہ لطف تو بھولے سے بھی ہم پر نہیں ہوتا

یاد آتی ہے ہر وقت وہ مدماتی ہوئی آنکھ
کس وقت مرے سامنے ساغر نہیں ہوتا

جو گا کے سناتا ہے غزل بزم سخن میں
ہوتا ہے گلے باز، سخن ور نہیں ہوتا

اشک اور سمندر میں بڑا فرق ہے لے راز
اشک اشک ہی ہوتا ہے سمندر نہیں ہوتا

○

"ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا"
ذاتِ چمن پرست کو کم ہے یہ افتخار کیا؟

صبر و قرار زیست میں ہم کو ملا نہ دو گھڑی
ہم کو خبر نہیں ذرا، صبر ہے کیا، قرار کیا

ساقیٔ میکدہ ہمیں دیتا ہے ناپ ناپ کر
کاش وہ جانتا کہ ہے خواہشِ میگسار کیا

کیسا خزاں سے واسطہ، کیسی بہار سے غرض
ہم کو خبر نہیں ہے کچھ، کیا ہے خزاں، بہار کیا

ہار کے بعد جیت ہے، جیت کے بعد ہار ہے
ہار نہیں تو جیت کیا، جیت نہیں تو ہار کیا

مستِ الستِ مے ہوں میں، شغل نہ پوچھو دوستو
بادہ کشی کے ماسوا، اور مجھے ہے کار کیا

دیکھنی ہے بہار تو قلبِ فگارِ رازؔ دیکھ
نرگسِ دل فگار کیا، لالۂ داغدار کیا

○

یہ بھی خبر نہیں مجھے دن ہے کہ رات ہے
محو اِتنی اُس کی ذات میں میری حیات ہے

ہم بہرہ ور رہیں دولتِ دانش سے زیست میں
حاصل ہمیں متاعِ شعُورِ حیات ہے

مُشتاقِ دید سے کہو ہمّت سے کام لے
وہ بامِ حُسنِ یار تو دو چار ہات ہے

اک وہ کہ جن کو کام ہے اپنی ہی ذات سے
اک ہم کہ جن کو فکرو غمِ کائینات ہے

اِک انقلاب ہی کو ہے حاصل قرارِ رآز
دُنیا ہے جس کا نام بڑی بے ثبات ہے

جہاں بدیدۂ پُرنم دکھائی دیتا ہے
ہر ایک دل میں ہمیں غم دکھائی دیتا ہے

وہ کر رہا ہے کسی پائے حُسن پر سجدہ
سرِ غُرور جواب خم دکھائی دیتا ہے

شراب لیتی ہے انگڑائیاں جو شیشے میں
اُبلتا چشمۂ زمزم دکھائی دیتا ہے

بتا رہا ہے زمانے کا حال اُٹھا کر جام
ہر ایک رند ہمیں جم دکھائی دیتا ہے

ہماری چشم مروّت ہے بے نیاز تمیز
"ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے"

خدا ہی جانے کہ چلنے سے کس گھڑی رُک جائے
ابھی جو چلتا ہُوا دم دکھائی دیتا ہے

وہ ڈھل چلی شب وعدہ اب آنکھ مُوندے آراز
کہ اُن کا آنا ہمیں کم دکھائی دیتا ہے

پا کے آنکھوں کا اشارا ہم کسی کے ہو گئے
لے کے اُلفت کا سہارا ہم کسی کے ہو گئے

یُوں تو ہم پہلی نظر میں رہ گئے دل تھام کر
جب مِلیں نظریں دوبارا ہم کسی کے ہو گئے

لب ابھی کُھلنے نہ پائے تھے کسی کے سامنے
اُس سے پہلے دل پُکارا ہم کسی کے ہو گئے

حُسن کی یہ دلبری ہے یا کرشمہ سازیاں
دیکھتے ہی اک نظارا ہم کسی کے ہو گئے

راز کیا معلوم ہے کس کی ادا و ناز نے
ہم کو شیشے میں اُتارا ، ہم کسی کے ہو گئے

جم کے بیٹھے، نہ اُٹھے، منہ نہ کسی کا دیکھا
دور ہیں ہم نے جہاں ساغرِ صہبا دیکھا

ساقیا مے سے غرض تھی ترے میخواروں کو
اوک سے پی گئے، بوتل نہ پیالا دیکھا

جب کبھی بیٹھے ہیں پینے کو تو پیتے ہی گئے
شام کا وقت نہ دیکھا نہ سحر کا دیکھا

مے کدے ہی میں ادا کرتے رہے فرضِ نماز
ہم نے کعبہ کبھی دیکھا، نہ کلیسا دیکھا

یوں نظر آیا ہمیں ساغرِ صہبا کا محیط
گردِ مہتاب کے جیسے کوئی ہالا دیکھا

کشتیِ دل کو وہیں ہم نے اُتارا اے رازؔ
جس جگہ بہتا ہوا حسن کا دریا دیکھا

جس طرف تیغِ ادا حُسن کی چل جاتی ہے
چیرتی سینکڑوں سینوں کو نکل جاتی ہے

عاشقانہ ہے طبیعت مری کیا اِس کا علاج
ہر حسیں شکل پہ کم بخت مچل جاتی ہے

حال پر جس کے ہو اُس رشکِ مسیحا کی نظر
موت بھی آئی ہو اُس کی تو وہ ٹل جاتی ہے

فکرِ ایفا کی نہ کر، وعدہ تو کر لے ہم سے
کہ طبیعت ترے وعدے سے بہل جاتی ہے

وہ تو یہ دیکھنے آئے ہیں میری بالیں پر
آج جاتی ہے مری جان کہ کل جاتی ہے

رازؔ کہنا ہے کہو، رنگِ تغزّل میں غزل
بے تغزل نہ کہو، شانِ غزل جاتی ہے

ہر اک غم سے بچاتی ہے میری دیوانگی مجھکو
بڑی حسرت سے تکتے ہیں شعور و آگہی مجھکو

وہی دیتا ہے پینے کو مجھے ہر روز اے ناصح
ازل میں جس نے بخشا تھا مذاقِ میکشی مجھکو

خدا معلوم کب دیکھوں گا میں گلشن کے نظارے
لئے پھرتی ہے صحرا میں ابھی آوارگی مجھکو

"میرا دم ناک میں آیا ہے شورِ زندگانی سے
چھپا لے اپنے دامن میں سکوتِ زندگی مجھکو"

دکھاتا ہے ہزاروں شعبدے چرخِ ستم گر بھی
کبھی اِس کو، کبھی اُس کو، کبھی تجھ کو، کبھی مجھکو

نگارانِ جہاں مجھ کو بٹھاتے ہیں سر آنکھوں پر
حسیں سپنے دکھاتا ہے جنونِ عاشقی مجھکو

عدم کو لے کے جائے گی مجھے شہنازِ مرگ اے رازؔ
عدم سے لے کے آئی ہے عروسِ زندگی مجھکو

جب وہ صورت نظر نہیں آتی
زندگی راہ پر نہیں آتی

مجھ سے مانوس ہر مصیبت ہے
کونسی میرے گھر نہیں آتی

ساقیا، کیا یہی ہے بارشِ مے
ایک بھی بوند اِدھر نہیں آتی

حسن ناواقفِ وفا ہی سہی
کچھ جفا بھی تو کر نہیں آتی

کیا نہ کہتے تھے ہم، ہماری آہ
بے اثر لوٹ کر نہیں آتی

خیر کی راہ جانتے ہیں ہم
ہاں! مگر راہِ شر نہیں آتی

عشق میں رازِ زخمِ فرقت سے
جان بچتی نظر نہیں آتی

آہ! قبلہ جوشؔ ملسیانی

یاد بابا جوشؔ کی جب آئے گی
خُون کے آنسو ہمیں رُلوائے گی

رنج و غم دِکھلائے مرگِ جوشؔ نے
دیکھنے اب اور کیا دِکھلائے گی

کوئی کیا جانے ہمیں بھی کس گھڑی
مرگِ بے ہنگام لے کر جائے گی

وہ نہیں آنے کے ہرگز لَوٹ کر
یاد اُن کی آئے گی تڑپائے گی

سوئیں گے ایسے نہ پھر اُٹھیں گے ہم
ایک دن ایسی بھی نیند آجائے گی

"رازؔ کہتے تھے یہی اُستاد جوشؔ
زندگی بھی جان لے کر جائے گی"

روکتے کیوں ہو اجازت برملا دیتے رہو
زندگی کے کارواں کو راستا دیتے رہو

تُم کو بخشی ہے اگر قدرت نے افراطِ وفا
بے وفاؤں کو بھی کچھ درسِ وفا دیتے رہو

جو سوالی در پہ آجائے اُسے بہرِ خدا
کچھ نہ کچھ تو جلوۂ نازو ادا دیتے رہو

جب دُعا گوئی سے اچھا کام ہی کوئی نہیں
بزمِ دُنیا میں ہر اِک کو تُم دُعا دیتے رہو

ہوش میں لانا اگر ہے عاشقِ بے ہوش کو
اپنے دامانِ محبّت کی ہوا دیتے رہو

زندگی کے واسطے کچھ تو سہارا چاہیئے
ہم جو ہیں بے آسرا، تُم آسرا دیتے رہو

ہے مزا آنے نہ پائے رازؔ پھر سے ہوش میں
جام اسے بھر کر شرابِ ناب کا دیتے رہو

چلے ہیں ہاتھ خالی ہم اِدھر سے
مِلا کیا اِس درختِ بے ثمر سے

کوئی دیکھے تجھے میری نظر سے
تقابل کیا تیرا شمس و قمر سے

کِھلے گلشن، بہار آئے چمن میں
یہ کہدو، ابرِ باراں سے کہ برسے

جُھکی رہتی ہیں وہ ہر دم چمن میں
لدی ہوتی ہیں جو شاخیں ثمر سے

نہیں باقی نشاں تک آشیاں کا
ڈریں کیوں راز ہم برق و شرر سے

تنگ آیا ہوں چُپ چاپ اشاراتِ بُتاں سے
دل روز نیا لاؤں، تو لاؤں میں کہاں سے

وہ کہتے تھے گھر جائیں گے ہم اُٹھ کے یہاں سے
سُنتا ہوں مگر اور ہی کچھ اہلِ جہاں سے

آ جائے یقیں اُن کو مری بات کا اے دل
خالی بھی کریں دل وہ کبھی وہم و گماں سے

جب فصلِ بہار آئے گی بعد اُس کے یقیناً
گھبرانے کی کیا بات ہے پھر دورِ خزاں سے

بجلی میں کہاں تاب کہ ہو اس کے مقابل
بجلی نے تڑپ پائی ہے اِس قلبِ تپاں سے

کس واسطے دل بستۂ دُنیا ہوں ہم اے رازؔ
جانا ہے وہیں ہم کو، ہم آئے ہیں جہاں سے

○

اُٹھو رِندو خُدا کا نام لے کر
پیو ساقی سے اِک دو جام لے کر

خُم آشاموں کو پیمانوں ہیں ساقی؟
کریں گے کیا ہم اِک دو جام لے کر

ثمر وَر ہوتی ہے پُختہ تمنّا
نہ اُٹھو آرزُوئے خام لے کر

نہیں اب مُرغِ دل کی خیر یارب
شکاری آگئے ہیں دام لے کر

مُبارک اے میرے شوقِ شہادت
وہ آخر آ گئے صمصام لے کر

خُدا کے نام سے اُن کو غرض کیا
جو جیتے ہیں تمہارا نام لے کر

اگر بھُولے سے پہنچے ہو یہاں تک
چلے جانا ذرا آرام لے کر

اِدھر بھی ہو نظر اک بار ساقی
کھڑے ہیں کب سے خالی جام لے کر

عجب ہے رازؔ بھی بیت الحرم کو
چلے ہیں جامۂ احرام لے کر

اشتیاقِ دید ہے ذوقِ نظر لایا ہوں میں
بارگاہِ حُسن میں قلب و جگر لایا ہوں میں

اشک جو سرخ و سفید آنکھوں میں بھر لایا ہوں میں
مخزنِ دل میں چھپے لعل و گہر، لایا ہوں میں

رات دن کی بیقراری ہے، تڑپ ہے، درد ہے
اُن کی محفل سے یہ اُلفت کے ثمر لایا ہوں میں

آستانِ حُسن تجھ کو فخر کرنا چاہیئے
دشمنِ سجدہ رہا ہو، ایسا سر لایا ہوں میں

رازؔ کہہ دو حُسن سے اب روز کا جھگڑا مٹے
اُس کے ہاتھوں قتل ہونے کو یہ سر لایا ہوں میں

ہم سے اتنی وفا کرے کوئی
دردِ دل کی دوا کرے کوئی

کب تک آخر جِیا کرے کوئی
انتظار آپ کا کرے کوئی

کاش ایسا بھی وقت آجائے
تم پلاؤ ، پِیا کرے کوئی

جان لیوا نہ دردِ دل ہوجائے
دردِ دل کی دوا کرے کوئی

وہ کریں گے کسی سے بھی نہ وفا
لاکھ اُن سے وفا کرے کوئی

آپ ہی سے ہے لطفِ زیست یہاں
آپ کو کیوں خفا کرے کوئی

کیوں نہ بے زارِ زیست ہو جائے
تم نہ آؤ تو کیا کرے کوئی

وہی ہوگا جو اُس کو ہے منظور
کیوں کسی کا گِلہ کرے کوئی

جھوم اُٹھیں جن سے رازِ اہلِ بزم
شعر ایسے کہا کرے کوئی

O

اُس کا شمار ہوتا ہے اہلِ کمال میں
رہتا ہے شادماں جو ہجومِ ملال میں

آتے نہیں وہ، حال مرا پوچھتے تو ہیں
کیا کم ہے یہ شرف، کہ ہوں اُن کے خیال میں

اے شیخ، میکدہ ہے، یہاں تیرا کام کیا؟
کالا دکھائی دیتا ہے، کچھ ہم کو دال میں

دل نذر کر رہے ہیں خوشی سے سب اہلِ دل
وہ دِلکشی بھری ہے ترے خدّوخال میں

تکرار کا بُرا ہو کیا جس نے تلخ کام
گذری تمام رات سوال و جواب میں

اے دوست آبِ تلخ کی کیفیتیں نہ پُوچھ
وہ لُطف وہ مزا نہیں آبِ زُلال میں

پیمان کر کے جھوٹی تسلی نہ دیجئے
رہنے دیں آپ راز کو مستؔ اُس کے حال میں

ع

یہاں جو رُکتے نہیں کہئے کہاں ٹھہرے ہیں
ہمیں معلوم تو ہو آپ جہاں ٹھہرے ہیں

شیریں لب، شیریں زباں، شیریں دہاں ٹھہرے ہیں
آپ دُنیا میں حلاوت کا جہاں ٹھہرے ہیں

غمزہ و ناز و ادا آپ کو زیبا ہیں سبھی
پیکرِ حُسن ہیں آپ، اور جواں ٹھہرے ہیں

وہ جو ٹھہرے بھی تو منزل پہ پہنچ کر ٹھہرے
قافلے عزم کے راہوں میں کہاں ٹھہرے ہیں"

صحنِ کعبہ میں لئے جاتا ہے کیوں شیخ ہمیں
ہم تو مُشتاق و پرستارِ بُتاں ٹھہرے ہیں

بازپُرسی کی جسارت جو کرے کس کی مجال!
آپ تو مالک و مختارِ جہاں ٹھہرے ہیں

رازؔ سے پُوچھتے ہو لذتِ فریاد و فغاں؟
رازؔ تو دُشمنِ فریاد و فغاں ٹھہرے ہیں

نکلنا غیر ممکن سا ہے اُن کی زلفِ پیچاں سے
تعلق بڑھ رہا ہے آج کل زنجیرِ زنداں سے

پرستارِ جمال و حسن جب پہنچا سرِ محشر
تو حوروں نے کیئے اس کو اشارے باغِ رضواں سے

نشیمن کا ہر اک تنکا جھلس جانے کو ہے مضطر
خدا کے واسطے کہدے کوئی یہ برقِ سوزاں سے

نگاہِ لطف سے میری طرف دیکھو نہ محفل میں
کہیں محروم ہو جاؤں نہ رنج و دردِ حرماں سے

مشامِ جاں معطر ہو گیا غنچے کھلے دل کے
شمیم آئی، نسیم آئی، یہ کون آیا گلستاں سے

نبھانا بھی تمھیں آتا ہے یا آنکھیں لڑانا ہی
کبھی اے رازؔ پوچھوں گا میں یہ چشمِ حسیناں سے

گریں بجلیاں مجھے کیا، مرا گلستاں نہیں ہے
نہیں ڈر مجھے کہ اِس میں مرا آشیاں نہیں ہے

سَرِ بزمِ عیش مجھ کو نہ پلائی تُو نے ساقی
نہیں شکوہ میرا بے جا کہ تو مہرباں نہیں ہے

مرے داغ ہائے دل سے ہے یہ سینہ رشکِ گلشن
وہ بہارِ باغ ہی کیا کہ جو گُل فشاں نہیں ہے

تجھے واسطہ پڑا ہے، تو پڑا ہے شیخ کن سے
جنھیں فکرِ مے کشی ہے، غمِ دو جہاں نہیں ہے

اُسے دیکھ کر پشیماں ہُوا میں بہت پشیماں
مجھے بھی گِلہ نہیں اب، وہ بھی بدگماں نہیں ہے

سَرِ بزمِ راز تجھ تک مے و جام آئیں کیسے
ابھی میرے حق میں دَورِ کرم جہاں نہیں ہے

ہم سے جو اُن کی چاہ کی تقصیر ہوگئی
دُشمن ہماری اپنی ہی تقدیر ہوگئی

یارب یہ دل کی چاہ بھی ہے کیا عجیب شے
جس کو ملی اُسی کی یہ تقدیر ہوگئی

کہنے لگے وہ آئے، جب آئی لبوں پہ جان
رکھنا معاف، آنے میں تاخیر ہوگئی

دل میں اُٹھی جو شوقِ اسیری کی آرزو
وہ زُلفِ حلقہ گیر ہی زنجیر ہوگئی

اُن کی نگاہِ ناز ہی حق میں ہمارے دوست
سوفار ہوگئی، کبھی شمشیر ہوگئی

تُونے جو مجھ کو غم دیئے، اُس کا نہیں ہے غم
تیری خوشی تو کاتبِ تقدیر ہو گئی

کہتے ہیں جِس کو حُسن، کوئی جانتا نہ تھا
میرے جُنوں سے حُسن کی تشہیر ہو گئی

وہ دُشمنی بھلا کے بالآخر مِلی گلے
یُوں دوست ہم سے آپ کی شمشِیر ہو گئی

اُن کے بغیر چھائی تھی ظُلمت ہر اک طرف
وہ چاند بن کے آئے تو تنویر ہو گئی

دیکھا تھا خواب راز وہ آئیں گے شام کو
وہ آئے سچی خواب کی تعبیر ہو گئی

سرِ محفل غمِ اُلفت کا جب افسانہ کہتے ہیں
تو سُننے والے ہم کو آپ کا دیوانہ کہتے ہیں

کمالِ دلبری ہے یوں کسی کا دل اُڑا لینا
کہ اہلِ دل اِسے اندازِ معشوقانہ کہتے ہیں

چلے آؤ، مریضِ غم کی بالیں پر چلے آؤ
جہاں سے اُٹھ رہا ہے اُس کا آب و دانہ کہتے ہیں

مجھے تو ساری دُنیا عشق میں اُن کا سمجھتی ہے
ستم یہ ہے کہ وہ پھر بھی مجھے بیگانہ کہتے ہیں

ہمارے ہر سُخن سے کیف اور مستی برستی ہے
جو کچھ کہتے ہیں ہم اے رازؔ وہ رندانہ کہتے ہیں

نظارے حُسن کے جو لاجواب دیکھے ہیں
خِرد یہ کہتی ہے تم نے سُراب دیکھے ہیں

تُمھیں تو ایک نہیں ہو حسیں زمانے میں
حسین ہم نے کئی لاجواب دیکھے ہیں

مِلی نہ فُرصتِ یک لمحہ میکشی سے جنھیں
کچھ ایسے ہم نے بھی خانہ خراب دیکھے ہیں

غذا کی آڑ میں جو زہر بیچا کرتے تھے
وہ چہرے وقت نے اب بے نقاب دیکھے ہیں

اِس اِنقلاب زمانہ سے ہم ڈریں بھی تو کیوں
کہ پیشتر بھی کئی انقلاب دیکھے ہیں

"بتائیں کیا کہ محبت کی راہ میں اے رازؔ
قدم قدم پہ نئے انقلاب دیکھے ہیں"

مرکزِ خوشبو ترا صندل بدن سمجھے تھے ہم
گیسوؤں کو حلقۂ مشکِ ختن سمجھے تھے ہم

پڑ گئے پتھر نہ جانے کیوں ہماری عقل پر
"راہبر نکلا وہ جس کو راہزن سمجھے تھے ہم"

آپ قتل و خوں پہ آمادہ ہوں یہ اچھا نہیں
آپ ہی کو تو مسیحائے زمن سمجھے تھے ہم

آپ کی شیریں کلامی میں یہ تلخی کس لئے
آپ کو شیریں زباں، شیریں سخن سمجھے تھے ہم

عشق میں سادہ دلی سے راز یہ کھایا فریب
آتشیں رخسار کو لعلِ یمن سمجھے تھے ہم

زہر آب ہے شراب جہاں کا خیال ہے
رندوں کے واسطے یہی آبِ زُلال ہے

میخانۂ قدیم کا رندِ خراب ہوں
ساقی تجھے پلانے میں کیوں قیل و قال ہے

دیتا ہے ناپ ناپ کے پیمانہ سے شراب
کیوں اس قدر بخیل ہمارا کلال ہے

رندوں کی ماندگی کا مُداوا ہے بس شراب
ساقی پلا شراب طبیعت نڈھال ہے

خود پوچھتا ہے ساقیٔ میخانہ مجھ سے راز
کیسی طبیعت آپ کی ہے، کیسا حال ہے

جو حسینوں پر مچل جاتا نہیں
زندگی کا اُس کو لُطف آتا نہیں

اِک نظر دیکھا تھا اُن کو یاد ہے
کیا ہُوا پھر کچھ بھی یاد آتا نہیں

رو گئے ، ہاں اب نگاہِ ناز کو
دیکھئے یہ دل سنبھل پاتا نہیں

میکشی برباد کر دے گی تمہیں
واعظ اب یہ وعظ فرماتا نہیں

ہم تھے جب خوش حال ملتے تھے سبھی
رازؔ اب کوئی اِدھر آتا نہیں

پستی و رفعت مقدّر ہیں تو ہر عالم سہی
تیری قسمت میں ہے زیر و بم، تو زیر و بم سہی

پینے والے کو فقط ہوتی ہے پینے سے غرض
جامِ گِل ہی میکدے میں اپنا جامِ جم سہی

ساقیٔ میخانہ تجھ سے اِلتجا اِتنی سی ہے
بھر کے دے سکتا نہیں ساغر، نہ دے، کچھ کم سہی

"ہاں! ہمارا خون کر کے آپ گھبراتے ہیں کیوں
آپ کا دامن سلامت، اپنے قاتل ہم سہی"

کچھ تو دے پینے کو ساقی کو میکدے میں راز کو
بادۂ عشرت نہیں ہے، تو شرابِ غم سہی

دِل میں چراغِ حُسن جلایا کرے کوئی
تاریک گھر ہے، اِس میں اُجالا کرے کوئی

تُم ہی تو ایک رونقِ نظّارہ ہو یہاں
جب تم نہ ہو تو پھر کسے دیکھا کرے کوئی

جُھک جائے فرطِ عجز سے پیشانیٔ نیاز
جب انجمن میں ذکر تمھارا کرے کوئی

اُس آفتابِ حُسن سے خیرہ ہے چشمِ شوق
آنکھیں کہاں سے لائے، جو دیکھا کرے کوئی

جب تم نہیں تو سرو وسمن میں کشش نہیں
سرو وسمن میں خاک نظارا کرے کوئی

پھر چشمِ اشتیاق کے در وا کیے ہوں میں
اے رازؔ اس میں آکے سمایا کرے کوئی

○

کوئی خنداں نظر آتا ہے اِس میں کوئی گریاں ہے
یہ دُنیا کیا ہے یارب اِک مقامِ برگ و باراں ہے

لکھا تھا اُن کی قسمت میں قتیلِ ناز ہو جانا
وہ قاتل عاشقوں کو قتل کر کے کیوں پشیماں ہے

حذر، عِشقِ بُتاں سے یہ روگ لینا نہیں اچھا
مرض ایسا ہے یہ جِس کا نہ دارُو ہے نہ درماں ہے

کسی ظالم کو تو مردِ خدا کہتی نہیں دُنیا
ہے جس کے دل میں کُچھ خوفِ خُدا وہ مردِ یزداں ہے

مجھے پاؤں کا چکّر چین لینے ہی نہیں دیتا
ہمیشہ دور میں سر پر مرے گردونِ گرداں ہے

فصاحت جِس کی لونڈی ہے بلاغت جس کی ہے باندی
فصیحِ مُلک داغِ دہلوی کا وہ دبستاں ہے

"چلا آ میکدے میں دین و دنیا چھوڑ کر اے راز
کہ اِس بازار میں ساغر متاعِ دست گرداں ہے"

برغزل جدِ اُستاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی مرحوم

تضمین

بے وفائی کی بے وفا جانے
غم کا عالم غم آشنا جانے
کیوں کسی کا وہ مُدّعا جانے
"دل پہ جو گذری ہے وہ کیا جانے
یہ تو ہم جانیں یا خدا جانے"

کوئی جانے بھی کیا طبیعتِ عشق
کیسی ہوتی ہے دل پہ وحشتِ عشق
جس نے دیکھی نہ ہو اذیّتِ عشق
"خاک جھیلے گا وہ مصیبتِ عشق
جو لگا کر نہ پھر بجھا جانے"

محرمِ رنج و غم ہو کیا وہ بشر
خاک سمجھے گا مسئلہ وہ بشر
کیا کرے درد کی دوا وہ بشر
"کیا کرے عرض مدّعا وہ بشر
ابتدا کو جو انتہا جانے"

ہر طرح وہ شریکِ محفل تھا
میرے دُکھ درد میں بھی شامل تھا
ہر قدم پر وہ خضرِ منزل تھا
"دل کو کل تک تو چین حاصل تھا
آج کیا ہو گیا خدا جانے"

حشر کے دن یہ فیصلا ہو گا
کس کو بخشش کا آسرا ہو گا
کون جنّت میں پھر رہا ہو گا
"بادہ نوشوں کا حشر کیا ہو گا
مجھ بلا نوش کی بلا جانے"

تیری ایسی نظر نہیں اے جوشؔ
تو کوئی دیدہ ور نہیں اے جوشؔ
راہ سے باخبر نہیں اے جوشؔ
"تیرا اُس جا گذر نہیں اے جوشؔ
تو خدائی کے راز کیا جانے"

کیا کرتی ہے رندوں پہ اثر دیکھ رہا ہوں
میخانے میں ساقی کی نظر دیکھ رہا ہوں

محفل میں مجھے دیکھتے ہیں یا وہ عدو کو
جاتی ہے نظر اُن کی کدھر دیکھ رہا ہوں

وہ میری نگاہوں سے بہت دُور ہیں، لیکن
میں دل میں انھیں شام و سحر دیکھ رہا ہوں

کیا حال بنا ڈالا ہے اِس عشق نے اے رازؔ
ہر شخص کو میں خاک بہ سر دیکھ رہا ہوں

منظور ہوئی ہے وہ اللہ کی رضا ہم کو
جب ہم نہ رہیں گے تو ڈھونڈے گا خدا ہم کو
رنج و غم ہجراں نے اتنا ہے کیا لاغر
ڈھونڈے سے نہیں پاتی بستر پہ قضا ہم کو
تھا وقت کہ نظروں میں اک اللہ ہی اللہ تھا
اب تو نظر آتا ہے ہر بُت بھی خدا ہم کو

○

محبّت کا لے کر پیام آ رہا ہے
درِ میکدہ کا غلام آ رہا ہے

چھلک اٹھے ہیں ساقیا جام و ساغر
یقیناً کوئی تشنہ کام آ رہا ہے

تمھاری مُرادیں بر آئیں گی اک دن
یہ پیغامِ خوش صبح و شام آ رہا ہے

خدا جانے کیا ہے کشش گیسوؤں میں
ہر اک مُرغِ دل زیرِ دام آ رہا ہے

ضرور اس میں ہے چال کوئی نہ کوئی
جو خط اُن کا اب میرے نام آ رہا ہے

اب ایسے میں اللہ توبہ کا مالک
کوئی ہاتھ میں لے کے جام آ رہا ہے

یہ ساقی کا اے رآز ہے لطف تم پر
وہ ساغر، وہ مینا، وہ جام آ رہا ہے

"اب آفتابِ زیست لبِ بام آ گیا"
یعنی عروسِ مرگ کا پیغام آ گیا

میخانہ میں جو کشتۂ آلام آ گیا
دو گھونٹ اُس کو پینا بڑے کام آگیا

وہ بُت جو بن سنور کے لبِ بام آگیا
سر پیش کرنے عاشقِ ناکام آ گیا

پھینکا یہ کِس کی شوخ نظر نے، نظر کا جال
مُرغِ فلک نشیں بھی تہِ دام آ گیا

دل میں رہی نہ بادۂ رنگیں کی آرزو
پہلو میں میرے ساقیٔ گلفام آ گیا

کُچھ کرلو کارِ خیر بھی عقبیٰ کے واسطے
گذری ہے صُبح ، شام کا ہنگام آگیا

مرنے کی ہم تو ٹھان رہے تھے شبِ فراق
اِتنے میں اُن کے آنے کا پیغام آگیا

وہ نیم جاں سمجھ کے عیادت کو آ گئے
ہونا غریقِ مے بھی مرے کام آ گیا

مسجد کے پاس سے جو گُذرتا نہ تھا کبھی
وہ بھی پہن کے جامۂ احرام آگیا

ہم بیٹھنے بھی پائے نہ تھے میکدے میں رازؔ
ساغر بدست ساقیٔ گلفام آ گیا

سونپا ہے دل نے مجھکو جو اِک دِل رُبا کے ہاتھ
اب دیکھنے پڑیں گے اُسی پُر جفا کے ہاتھ

میری دُعا نہیں تو اُنہیں کی قبول ہو
دیتے ہیں بد دُعائیں مجھے وہ اُٹھا کے ہاتھ

اللہ جانے کس کے مقدّر میں تھا وہ جام
ساقی سے ہم نے چھین لیا، جو بڑھا کے ہاتھ

کیوں جان جسم زار سے ہوتی نہیں الگ
دیتا ہے کون مجھ کو دُعائیں اُٹھا کے ہاتھ

اے رازؔ اُن کے آنے میں یہ دیر کس لئے
اُن کو پیام بھیجا تھا ہم نے صبا کے ہاتھ

حسینوں کے دیکھے ہیں جب سے نظارے
تڑپتے ہیں دن رات جلووں کے مارے

محبت کے کرتے رہو تم اشارے
زمانہ دل و جاں کا صدقہ اُتارے

اِدھر حُسن والے دکھاتے ہیں آنکھیں
اُدھر گھورتے ہیں فلک سے ستارے

اُنھیں ہر قدم پر منافع، منافع
ہمیں ہر قدم پر خسارے خسارے

رہا ہی نہیں جب کوئی دینے والا
پسارے تو کیا ہاتھ کوئی پسارے

زمانے میں اپنا کہیں راز کس کو
بیگانے بھی دشمن بنے ہیں ہمارے

گھر کے آیا ابر، ہر لب پر ہے میخانے کی بات
میکشوں کے دل میں ہے اب پی کے لہرانے کی بات

بادۂ گلفام کے ساغر جو ساقی نے دیئے
پھر نہ سوجھی میکشوں کو ہوش میں آنے کی بات

حسن کی زلفوں کو سلجھانا تو کارِ سہل ہے
تم کرو زلفِ عروسِ دہر سلجھانے کی بات

ہم نے کب چاہا نہ پہنچے ساقیٔ میخانہ تک
کوئی پہنچا دے، ہمارے ہوش میں آنے کی بات

وقت نے ہر دل میں پیدا کر دیا رازِ انقلاب
"ہر طرف چلنے لگی اب ایک ہو جانے کی بات"

نظر تیری ساقی جدھر ہو چلی ہے
اُدھر ہی کو سب کی نظر ہو چلی ہے

جو میخانے میں لائی تھی شام ہم کو
وہ اب پیتے پیتے سحر ہو چلی ہے

پلا ساقیا، پھر سے مدہوش کر دے
جہاں کی مجھے پھر خبر ہو چلی ہے

مری دولتِ غم کہیں لٹ نہ جائے
اُنھیں میرے غم کی خبر ہو چلی ہے

شبِ وعدہ ڈھلنے پہ آئی ہے اے رازؔ
بس اب سو بھی جاؤ سحر ہو چلی ہے

○

گھر کے آئی ہے گھٹا وقت سُہانا کیا ہے
ساقیا پُوچھ، کہ رِندوں کی تمنّا کیا ہے

خُم چڑھا کر بھی نہ بہکوں، یہ ہے اعلیٰ ظرفی
ساقیا میرے لیئے ایک یہ مِینا کیا ہے

افتتاحی کو لیئے جاتے ہیں جبریل مجھے
عَرش پر میکدہ تعمیر کرا یا کیا ہے؟

لا کے رکھّو تو سہی شیشۂ مے محفل میں
ابھی جاتا ہے اندھیرا، یہ اندھیرا کیا ہے

معترض ہیں جو مرے پینے پہ اتنا سوچیں
میں جو پیتا ہُوں تو حرج اِس میں کسی کا کیا ہے

خُم پہ خُم آج عطا کر دے مجھے اے ساقی
ایک دو جام پِلانا بھی، پلانا کیا ہے

پارسائی تری ٹوٹے گی یقیناً زاہد
ورنہ سرمست گھٹاؤں کا تقاضا کیا ہے

گھُٹ کے مرجائے نہ اے راز تمنّا میری
پُوچھتا کوئی نہیں تیری تمنّا کیا ہے

جس وقت بن سنور کے وہ گھر سے نکل پڑے
ہمراہ اُن کے فتنے قیامت کے چل پڑے

میں نے تو ایک لفظ بھی اُن سے کہا نہ تھا
غصّہ تو غیر پر تھا مجھی پر اُبل پڑے

مُدّت کے بعد زحمتِ پُرسش جو اُس نے کی
اِتنی خوشی ہوئی مرے آنسو نکل پڑے

پہنچا جس انجمن میں بھی وہ حُسنِ برق پاش
بُجھتے ہوئے چراغ وہاں پھر سے جل پڑے

دَیر و حرم سے دل کو نہ تسکین مِل سکی
ہم ہار تھک کے جانبِ میخانہ چل پڑے

جس بے وفا کے عشق میں ہے راز مُضطرب
یارب تمام عُمر اُسے بھی نہ کل پڑے

پلا اے ساقیٔ مستِ نظر آہستہ آہستہ
تری بخشش کا ہو مجھ پر اثر آہستہ آہستہ

شبِ تاریک میں یہ کس کے چہرے سے نقاب اُٹھی
نظر آنے لگا روئے سحر آہستہ آہستہ

ہمارے پاس آنا تھا، تم آ پہنچے ہو، رُک جاؤ
بڑھے جاتے ہو مستی میں کِدھر آہستہ آہستہ؟

نہیں رہنے کی یہ شام و سحر کی گردشیں آخر
گزر جائیں گے یہ شام و سحر آہستہ آہستہ

تغافل نے کسی کے کر دیا بے خانماں آخر
ہُوا برباد و ویراں میرا گھر آہستہ آہستہ

نہ احساسِ تہی دستی رہے کچھ راز کے دل میں
پلا دے ساقیا وہ آبِ زر آہستہ آہستہ

شمع سے جو رہی روشنی رات بھر
اُس نے میری اُڑائی ہنسی رات بھر

رات بھر چھائی تھیں غم کی تاریکیاں
"دِل کے داغوں نے کی روشنی رات بھر"

بات آپس کی دونوں رہے مانتے
خوُب نبھتی رہی دوستی رات بھر

ہم ضیا کے اُجالوں میں کھوئے رہے
ہم کو گھیرے رہی روشنی رات بھر

ہے جنابِ ضیاؔ کے یہ اعزاز میں
بزم میں آج ہو شاعری رات بھر

اُن کی یادوں نے آ آ کے چرکے دیئے
ہائے رے یہ مری بے بسی رات بھر

وہ نہ آئے، نہ آنا تھا اُن کو مگر
رازؔ یاد اُن کی آتی رہی رات بھر

وہ جلوہ نصیب آزما ہے کِسی کا
مقدّر اِدھر نارسا ہے کِسی کا

کسی کے سہارے جیئے جا رہے ہیں
ہمیں بھی یہاں آسرا ہے کِسی کا

یہی دل کِسی وقت اِک راہزن ہے
یہی دِل کبھی رہنما ہے کِسی کا

تیرا حُسن ہے ایک برقِ تجلّی
تجھے دیکھے یہ حوصلا ہے کِسی کا؟

محبّت کے نغمات سے بھر دے یارب
کہ سازِ وفا بے صدا ہے کِسی کا

نہ کیوں کوئی اُس کی پرستش کرے رآز
وہ بُت بھی تو آخر خُدا ہے کِسی کا

جب صیدِ آلام ہوئی
زیست رہینِ جام ہوئی

اُلفت کے ماروں کی سحر
روتے روتے شام ہوئی

ساقی لایا ساغر و مے
اب محفل خوش کام ہوئی

دِل رِندوں کے اُچھلے خُوب
رقصاں جب گلفام ہوئی

وصل، نصیبِ دُشمن ہے
فرقت میرے نام ہوئی

رازؔ انھیں اپنانے کی
ہر کوشش ناکام ہوئی"

نظامِ نو مرے ساقی کی بارگاہ میں ہے
مِلے شراب ہر اِک اِس کی چاہ میں ہے

وہ عرضِ جلوہ یہ ہنگامہ لن ترانی کا
"نیاز و ناز کا عالم مری نگاہ میں ہے"

کمر کو اُونٹ کی توڑے ہے آخری تنکا
بلا کا بارِ گراں ایک برگِ کاہ میں ہے

تباہ ہو کے بھی رونق سے یہ نہیں محروم
غم و ملال کی دُنیا دلِ تباہ میں ہے

کبھی گرایا تھا یُوسفؑ کو اِس میں کہتے ہیں
جو عکسِ حُسن ابھی کنعاں کے تیرہ چاہ میں ہے

اسیرِ حرص ہے وہ، راز یہ ہے بے پروا
یہی تو فرق جہاں میں گدا و شاہ میں ہے

ہر سمت وہ اک نظر دیکھتے ہیں
کوئی کیا کہے، وہ کدھر دیکھتے ہیں

تری آنکھ کی گردشوں کا ہے صدقہ
کہ پیمانہ پیشِ نظر دیکھتے ہیں

تمہاری قرابت بھی گویا ستم ہے
شبِ وصل خوفِ سحر دیکھتے ہیں

جبیں کو نہیں ہوتی سجدوں سے فرصت
جہاں ہم ترا سنگِ در دیکھتے ہیں

یہ ہے زلفِ مشکیں میں روئے منوّر
شبِ تار میں یا سحر دیکھتے ہیں

اُسی ذات کی یہ تجلّی ہے اے رازؔ
جو ہم نورِ شمس و قمر دیکھتے ہیں

جو روز و شب ہے نگاہوں کے رُوبرُو کیا ہے
فلک کے میرے سُبو کے یہ ہُو بہو کیا ہے

وہ بادہ نوش ہیں ہم، خُم کے خُم چڑھا جائیں
ہمارے سامنے ساغر ہے کیا سُبو کیا ہے

کشاں، کشاں لئے پھرتا ہے ہر طرف مجھ کو
خبر نہیں دلِ مُضطر کو جُستجو کیا ہے

بشر ہے عقل کے باعث ہی اشرفُ المخلوق
وگرنہ خاک کے پُتلے کی آبرو کیا ہے

ہے کون دیکھا نہیں جس نے رازِ بے در کو
غبارِ خاک جو اُڑتا ہے کُو بکُو کیا ہے

روز و شب ڈھونڈیں تجھے مہر و مہ و اختر کہاں
تو بتا حُسنِ ازل رہتا ہے جلوہ گر کہاں

کون سے شہناز نے میخانے پر حملہ کیا
ہر بطِ مے اُڑ گئی ہے، پھڑ پھڑا کر پر کہاں

عظمتِ سجدہ ملے کیا آستانِ حُسن پر
یہ سرِ عاجز کہاں، اور اُن کا سنگِ در کہاں

بے خودیٔ شوق سجدہ میں نہیں مطلق خبر
اُن کا سنگِ در کہاں ہے اور میرا سر کہاں

تیرے دیوانے کو کیوں منصور سے تشبیہ دیں
تیرا دیوانہ کہاں، منصورِ پردہ در کہاں

دل کا شیشہ توڑنے والے تو دیکھے ہم نے راز
ٹوٹا شیشہ جوڑ دے جو ہے وہ شیشہ گر کہاں

اے مہربان ساقی کچھ اور ابھی خُدارا
دو جام سے ہمارا ہوتا نہیں گذارا

یہ تو ہمارا دل ہے ہم جس کو چاہیں بخشیں
اِس میں نہیں کسی کا ہرگز کوئی اِجارا

اے یادِ یار مجھ سے تُو بھی نہ رُوٹھ جانا
ہے قلبِ غم زدہ کو تیرا ہی اب سہارا

تنویرِ جلوہ ہی سے یہ خیرہ ہو گئی تھیں
"آنکھوں نے دیکھکر بھی دیکھا نہیں نظارا"

جی چاہتا ہے میرا اُس کی بلائیں لے لُوں
نازؔ اُن کے گیسوؤں کو جس ہاتھ نے سنوارا

دِل جو دِل سے جُدا نہیں ہوتا
غم اُسے ہجر کا نہیں ہوتا

حُسن جو کیف زا نہیں ہوتا
دِل مرا مُبتلا نہیں ہوتا

خُود ہی بنتا ہُوں آسرا اپنا
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

قتل و غارت گری و مکر و فریب
آج دُنیا میں کیا نہیں ہوتا

دلِ بے مُدّعا بڑی شے ہے
دِل یہ بے مُدّعا نہیں ہوتا

دِل میں لاکھوں گلے ہیں لیکن رازؔ
ہم سے اک بھی گِلا نہیں ہوتا

منت گذارِ ساقی و پیرِ مغاں رہے
ہم عمر بھر خرابِ مئے ارغواں رہے

اُس چشمِ مے فشاں کو بھلایا نہ جا سکا
اِک میکدہ بھی ساتھ رہا ہم جہاں رہے

ہو کر اُنھوں نے اپنا کیا غیر سا سلوک
وہ مہرباں ہو کے بھی نامہرباں رہے

رنگِ شباب ہم پہ حسینوں کے دم سے تھا
جب تک رہے حسینوں میں ہم بھی جواں رہے

وہ تھے نصیب سوختہ ہم بجھ سکی نہ پیاس
تا عمر اگرچہ میکشوں کے درمیاں رہے

پیری میں بندگیٔ خدا کر رہے ہیں نازؔ
وہ بندۂ بتاں رہے جب تک جواں رہے

نہ ہم سے چھپ سکی پیر و جواں تک بات جا پہنچی
ہمارے عشق کی اہلِ جہاں تک بات جا پہنچی

کمالِ عاجزی سے ہم ہوئے ہر دل عزیز اتنے
کہ ہوتے ہوتے، اُن کے رازداں تک بات جا پہنچی

کبیدہ ہیں وہ مجھ سے، اور میں بیزار خود سے ہوں
شکر رنجی، ذرا سی تھی، کہاں تک بات جا پہنچی

عبادت کون کرتا ہے خدا کی اِس زمانے میں
معاذاللہ اب حُسنِ بُتاں تک بات جا پہنچی

نہ جانے میرے اعمالِ سیہ کا حشر کا کیا ہوگا
اگر اُس داورِ ہر دو جہاں تک بات جا پہنچی

کبھی نام و نشاں والے تھے ہم بھی بزمِ دُنیا میں
مگر اب رازؔ بے نام و نشاں تک بات جا پہنچی

مِلا مجھ سے وہ بدگماں چپکے چپکے
ہُوا مجھ پہ وہ مہرباں چپکے چپکے

یہ رنگین تر قافلہ زندگی کا
اجل کی طرف ہے رواں چپکے چپکے

اجازت اگر ہو تو فریاد کر لوں
نہ مر جاؤں، اے باغباں چپکے چپکے

جو کر دے مجھے بے نیازِ دو عالم
کوئی جام، پیرِ مغاں چپکے چپکے

اُڑایا تمھاری اداؤں نے آخر
ہمارا دلِ ناتواں چپکے چپکے

دمِ نزع اے رازؔ ہم کر رہے ہیں
دُعا ہولے ہولے، فغاں چپکے چپکے

○

چشمِ دُنیا، جسے دُنیا سے نہاں دیکھے ہے
ہر جگہ اُس کو مری آنکھ عیاں دیکھے ہے

جو نظر بُتکدے میں، حُسنِ بُتاں دیکھے ہے
وہ حسیں پرتوِ خلّاقِ جہاں دیکھے ہے

جذبۂ عشق کو، کیا سُود و زیاں سے مطلب
"جذبۂ عشق، کہاں سُود و زیاں دیکھے ہے"

آسماں تو کئے جاتا ہے جفاؤں پہ جفا
تاب دیکھے ہے کسی کی، نہ وہ جاں دیکھے ہے

ہونے لگتا ہے اک احساس جوانی کا مجھے
جب مری سمت کوئی حُسنِ جواں دیکھے ہے

کیوں زمانے کی نگاہیں نہ ہوں تم پر مرکوز
چاند نِکلے تو اُسے سارا جہاں دیکھے ہے

لڑکھڑائیں نہ قدم پی کے سرِ میخانہ
ہوش اے رازؔ، تجھے پیرِ مُغاں دیکھے ہے

مُجھ کو غرض زمیں سے کچھ ہے نہ آسماں سے
ہے واسطہ اگر تو وہ تیرے آستاں سے

تیرے فدائیوں نے دیکھا نہ اُن کی جانب
محشر میں لینے آئیں، حُوریں اُنھیں جناں سے

میں کیوں نہ اپنے دل کی بات اُن سے آج کہہ دوں
دیتے ہیں وہ دکھائی کُچھ مجھ پہ مہرباں سے

لے جا میرا بُڑھاپا، اپنی جوانی دے جا
جی چاہتا ہے کہہ دوں، اک دن کسی جواں سے

بیشک ہے رازؔ تیرا فولاد کا کلیجہ
تُو نے جو دوستی کی سیمیں بدن بُتاں سے

کیا بتاؤں آپ کو میرے دل میں کیا غم ہے
میرے حالِ زار پر آپ کی جفا کم ہے

مرگِ حُسن پر بپا ایک شورِ ماتم ہے
عشق کی وفات پر کِس کی آنکھ پُرنم ہے

جام و مینا و سبُو زار زار روتے ہیں
کِس شراب نوش کا میکدے میں ماتم ہے

مُجھ سے رندِ مست کا مد بھری نگاہوں میں
ساغرِ سفال بھی ساغرِ شہۂ جم ہے

لوگ جو سمجھتے ہیں بادہ کو حیات بخش
وہ نہیں حیات بخش، اُن کے حق میں اک سمّ ہے

جانور بھی رآز جب مِل کے رہتے ہیں یہاں
آدمی نہ جانے کیوں آدمی سے برہم ہے"

○

تمہاری نظر ہے جدھر جائے گی
نگاہوں سے دل میں اُتر جائے گی

تمہارے ہی جلوے نظر آئیں گے
جدھر بھی ہماری نظر جائے گی

محبت کی بازی نہ کھیل اے میاں
محبت کی بازی تو ہر جائے گی"

جہاں میں جو اوروں کے کام آئے گا
حیات اُس بشر کی سنور جائے گی

جوانی رہے گی نہ اِس کا نشاں
یہ آندھی کسی دن اُتر جائے گی

جب آئے گی گلشن میں بادِ بہار
کئی رنگ کے گُل کتر جائے گی

نہ سمجھے ہو کچھ تُم نہ سمجھو گے راز
یُونہی عمر ساری گُذر جائے گی

اگر حسینوں سے دُنیا میں دوستی نہ ہوئی
وہ زیست موت ہوئی، کوئی زندگی نہ ہوئی

کسی کے پرتوِ رُخ سے چمک اٹھی دُنیا
چُراغ ہم نے جلائے تو روشنی نہ ہوئی

جو خوش نصیب تھے وہ اُن کا قُرب پا ہی گئے
تھے بدنصیب ہمیں، اُن سے دوستی نہ ہوئی

وہ بندگی، کہ ہے جس میں کوئی غرض پنہاں
وہ تاجری تو ہوئی، کوئی بندگی نہ ہوئی

ترے بغیر چمن میں بہار آئی تو کیا
ہمارے دل کو تو حاصل شگفتگی نہ ہوئی

گئی عدو کی طرف آپ کی نظر سو بار
ہماری سمت مگر اک نگاہ بھی نہ ہوئی

شراب پی کے بہکنا مناسب نہیں راز
یہ میکشی کی ہے توہین، میکشی نہ ہوئی

بہکے ہوئے قدم ہیں آئے ہو تم کہاں سے
یہ بے خودی ہے کیسی، کچھ تو کہو زباں سے

واقف ہیں لوگ کیونکر میرے غمِ نہاں سے
میں پوچھتا ہوں اکثر یہ اپنے رازداں سے

میرے غمِ نہاں کا چارا نہ کیجئے اب
مانوس ہو چکا ہوں اپنے غمِ نہاں سے

ضبطِ غمِ محبت ہر حال میں ہے لازم
ہم حالِ زار اپنا کہتے نہیں زباں سے

دُنیا کا ذکر چھوڑو، دُنیا ہے بے مُروّت
اُمّید ہے کرم کی بس خالقِ جہاں سے

ہر ذرّہٗ جہاں کو بیدار کر رہا ہوں
پھولوں کی رُوح لیکر نکلا ہوں گلستاں سے

کیا جانے بے خودی میں کیا اُن سے کہہ گیا ہوں
مجھ سے وہ ہو گئے ہیں کچھ اور بدگماں سے

اے رازؔ، رازِ اُلفت کھُل بھی گیا تو کیا ہے
واجب نہیں شکایت کچھ تم کو رازداں سے

○

تُم کو عادت ہے بھُول جانے کی
کوئی حد بھی ہے دِل دُکھانے کی

شیخ بھی ساتھ ہو لیا میرے
راہ پُوچھی تھی بادہ خانے کی

کچھ جوانی کی قدر کر اے دل
پھر نہیں لَوٹ کر یہ آنے کی

مِینا و مے و جام حاضر ہیں
ہے کمی آپ ہی کے آنے کی

میری جانب بھی اک نگاہِ لُطف
"پھر تمنّا ہے مُسکرانے کی"

ہم بھی سیکھیں گے ڈھب منانے کا
اُن کو عادت ہے رُوٹھ جانے کی

رازؔ کو پارسا جو کہتا ہے
اُس پہ سَو لعنتیں زمانے کی

○

اثر ہے وہ مری آہ و فغاں میں
لگا دے آگ جو ہفت آسماں میں

محبت کے مزے کیا اُن کو معلوم
پڑے ہیں لوگ جو سُود و زیاں میں

جو طبعِ پیر میں ہے تاب برداشت
کہاں سے آئے وہ طبعِ جواں میں

بقدرِ ظرف دیتا ہے سبھی کو
یہی تو وصف ہے پیرِ مُغاں میں

مُداوا دردِ اُلفت کا کروں کیوں
بڑی راحت ہے اِس دردِ نہاں میں

نشیمن برق کے ہاتھوں جلے کیوں
لگا دو آگ خُود ہی آشیاں میں

جسے کہتی ہے دُنیا لامکاں راز
اُسے کیوں ڈھونڈتا ہے تو مکاں میں

آج ہر انسان فکرِ حال و مستقبل میں ہے
اب کہاں ماضی کا افسانا کسی محفل میں ہے

آج انساں مائلِ پرواز ہے سُوئے فلک
چاند کی دھرتی پہ بسنے کی تمنّا دل میں ہے

سنگ ریزوں کے سِوا کچھ بھی نہ پایا چاند پر
کس قدر رُسوائی اب اِس سعیٔ لاحاصل میں ہے

چاند کے عُشّاق کی نظریں ہیں سُوئے آسماں
قیس کی نظروں کا مرکز پردۂ محمل میں ہے

چاند کی دھرتی پہ اُڑ کر کیوں نہ جائیں اہلِ خاک
"لذّتِ پرواز بھی تو دُوریٔ منزل میں ہے"

ہمسری اللہ کی کرنے لگا دُنیا میں یہ
کیا کہیں ہم کیا سمائی آدمی کے دِل میں ہے

اِس قدر پائی ترقّی آج کل وگیان نے
راز اسی کا تذکرہ ہر بزم ہر محفل میں ہے

وہ بزمِ دل میں دیدۂ حیراں سے آئے ہیں
ہر گام پر مٹکتے خراماں سے آئے ہیں

اب لن ترانیوں کی صدائیں نہ تھیں وہاں
ہم آج ہو کے طُورِ فروزاں سے آئے ہیں

صرصر سے کوئی بُجھ بھی گیا تو نہیں ہے غم
لاکھوں چراغ خونِ شہیداں سے آئے ہیں

گُلشن میں رہ کے بھی نہ کسی گُل کو پا سکے
ہم خالی ہاتھ صحنِ گلستاں سے آئے ہیں

بیشک وہ ہے حسین، مگر آپ سا نہیں
ہم مِل کے آج یُوسفِ کنعاں سے آئے ہیں

ہر ہر قدم پہ رُکتے، جھجکتے ہوئے بڑھے
آئے ہیں وہ تو نازِ نگاراں سے آئے ہیں

اے رازؔ کیا ہو بے سروسامانیوں کا غم
مُلکِ عدم سے بے سروساماں سے آئے ہیں

○

کب ہم نے کہا جلوہ سرِ عام ہمیں دو
نظّارۂ مخصوص لبِ بام ہمیں دو

جس نام سے تُم چاہو مخاطب کرو ہم کو
آوارہ و سودائی، کوئی نام ہمیں دو

بر آئے کبھی حسرتِ دیدِ رُخ و گیسُو
نورِ سحر و تیرگیٔ شام ہمیں دو

قسّامِ ازل نے ہمیں مے نوش بنایا
رِندی کا نہ اے دوستو اِلزام ہمیں دو

اِک ساغرِ صہبا کی ضرورت ہے سحر دم
اِک جامِ مئے ناب ہرِ شام ہمیں دو

رہ رہ کے نہ یاد آؤ نہ تڑپاؤ شب و روز
دم بھر کے لئے راحت و آرام ہمیں دو

جی جاں سے بجا لائیں گے احکام تمہارے
جو چاہو بڑے شوق سے احکام ہمیں دو

ہر روز ہی پیغام غم آ گیں سے ہیں دوچار
خوشیوں کا کسی روز تو پیغام ہمیں دو

گردن ہی اُڑا دو کہ مٹے روز کا جھگڑا
اے رازؔ کہو اُن سے یہ انعام ہمیں دو

○

پُرسشِ حال کو وہ آئے ہیں
اب نصیب اپنے جگمگائے ہیں

ہمیں ہر طور دیکھنے ہی پڑے
دن جو تقدیر نے دکھائے ہیں

شبِ وعدہ نہ تیرے آنے سے
دل میں کیا کیا خیال آئے ہیں

چھوڑ دیتے ہیں ساتھ اندھیروں میں
اپنے سائے بھی تو پرائے ہیں

کس طرف جائے میری جانِ نحیف
ہر طرف ہولناک سائے ہیں

کون خُورشید رُو اِدھر آیا
خاک کے ذرّے جگمگائے ہیں

بزم میں سُن کے رازؔ کے اشعار
مُطربوں نے بھی ساز اُٹھائے ہیں

وہ حُسنِ مست جام پلا ئے تو کیا کریں
پی کر ہمیں جو ہوش نہ آئے تو کیا کریں

یاد اُس کی آ کے ہم کو ستائے تو کیا کریں
اُس کو ہماری یاد نہ آئے تو کیا کریں

سُن کر ہماری بات وہ بدعہد و حیلہ جُو
اِک اِک کی لاکھ لاکھ سُنائے تو کیا کریں

ہے شوق بادہ نوشی کا کس رُوسیاہ کو
ہاں! اپنے ہاتھ سے وہ پلائے تو کیا کریں

ناز و ادا سے پہلے تو دل کو اُڑا لیا
اب ہم سے وہ نہ آنکھ مِلائے تو کیا کریں

اپنی طرف سے ہم تو بھُلاتے ہیں اُس کو راز
اُس کا خیال دل سے نہ جائے تو کیا کریں

○

اُن کے دل میں کیا کرم پیدا ہُوا
عشق کے حق میں سِتم پیدا ہُوا

بیش و کم میں وہ اُلجھ کر رہ گئے
جن کو فکرِ بیش و کم پیدا ہُوا

سر پہ ٹُوٹا ہر گھڑی دُکھ کا پہاڑ
ہر گھڑی اک تازہ غم پیدا ہُوا

اشکِ غم پھُوٹے زمیں کی آنکھ سے
جن کی یکجائی سے یم پیدا ہُوا

ہر خرابی سے ہُوئی خُوبی عیاں
اور ہر خُوبی سے ذم پیدا ہُوا

ساقیا تیرے نہ ہونے سے یہاں
غم بڑھا رنج و الم پیدا ہُوا

قوس سے نِسبت اُسے دی ہم نے بازؔ
ہر وہ شے جس میں کہ خم پیدا ہُوا

زوال گیر نظاروں کی بات ہوتی ہے
خزاں بدوش بہاروں کی بات ہوتی ہے

کلی کا رنگ، گلوں کا نکھار کیا کہنا!
فنا پذیر شراروں کی بات ہوتی ہے

یہ میکدہ ہے یہاں ذکرِ شیخ بے معنی
یہاں تو بادہ گساروں کی بات ہوتی ہے

بوقتِ خیر، کناروں کا ذکر کون کرے
ہوں جب بھنور میں کناروں کی بات ہوتی ہے

وہ جس کو سنتا ہے ہر شخص اشتیاق کے ساتھ
تمہارے عشق کے ماروں کی بات ہوتی ہے

دلوں میں عشق کی چنگاریاں بھڑکتی ہیں
جہاں بھی لالہ عذاروں کی بات ہوتی ہے

وہ ذکر کرتے ہیں کانٹوں کا باغ میں اے رازؔ
گلوں میں بیٹھ کے خاروں بات ہوتی ہے

اے رازؔ اُن کی چشم فسوں گر تو دیکھئے
نکہت فروش زُلفِ معُبّر تو دیکھئے

جلنے کا جو قرینہ ہے وہ آ ہی جائے گا
پہلے کسی کے عشق میں مرکر تو دیکھئے

حسرت سی چھائی ہے درودیوار و بام پر
جانِ امید بن کے، مرا گھر تو دیکھئے

کیوں بے پئے ہی اتنی مذمّت شراب کی
پُرکیف کس قدر ہے یہ، پی کر تو دیکھئے

وہ کھِل کھِلا رہے ہیں مسرّت سے بام پر
یہ صاعقہ فشانی کا منظر تو دیکھئے

اے رازؔ دل میں ہے جو تمنّائے لُطفِ دوست
اک روز اُس کے پاؤں پہ پڑ کر تو دیکھئے

بنائے جاتے جہاں میں اگر نہ میخانے
تو غم کے مارے کہاں جاتے پھر خدا جانے

درِ حرم پہ پہنچتے بھی کس طرح ہم لوگ
ہماری راہ میں روشن تھے کتنے میخانے

وہ آب، جس میں کہ آبِ بقا کی ہے تاثیر
غضب ہے کہہ دیا اس کو شراب دنیا نے

کسی کی آنکھ سے پینے لگے ہیں بادہ پرست
شراب و جام سے خالی پڑے ہیں میخانے

نہ جانے کل کو فسانوں کا حشر کیا ہو رازؔ
حقیقتیں نظر آتی ہیں آج افسانے

ہم جو اُس شوخِ پر جفا سے مِلے
یہ سمجھ لو کہ بس قضا سے مِلے

دُور ہی سے کیا اُچٹتا سلام
"وہ مِلے بھی تو کِس ادا سے مِلے"

کِس قدر کیف زا وہ ہوتا ہے
جام جو دستِ دلرُبا سے مِلے

بات بن جائے ہو جو آہ رسا
نفع کیا آہِ نارسا سے مِلے

رنج و غم کا گِلہ کریں کِس سے
رنج و غم شوخِ بے وفا سے مِلے

بات تک بھی نہ کی ہُوئے رُخصت
وہ مِلے بھی تو کچھ خفا سے مِلے

کٹ گئے رآز آہ و زاری میں
زیست کے لمحے جو خُدا سے مِلے

اے بادِ صبا یہ مجھکو بتا لائی ہے تُو کیا میخانوں سے
ہر شاخِ شجر پہ جو تُو نے یہ پھول چُنے پیمانوں سے

یہ دِل بھی ہمارا ہو نہ سکا ہم شکوہ کریں تو کس سے کریں
ہم نے جسے پالا پوسا تھا سینے میں بڑے ارمانوں سے

لوگوں پہ اگر تم ڈھاتے رہے، یوں ظُلم و تشدّد، جَور و جفا
سب لوگ تمھیں بھی ناپیں گے اے دوست اِنھیں پیمانوں سے

دن رات عبادت کرتے ہیں مسجد میں اذانیں ہوتی ہیں
ناقُوس صدا دیتے ہیں تجھے ہر شام و سحر بُت خانوں سے

ارمان و تمنّا، یاس و الم، اے رازؔ ہجوم رنج و غم
تا عُمر نہ نکلے دِل سے مِرے بستے ہی رہے مہمانوں سے

"ہم اُن پر بھروسہ بھی کرتے رہے"
دم اُن کی محبّت کا بھرتے رہے

یہی کام تھا میکدے میں ہمیں
بھری بوتلیں خالی کرتے رہے

خطائیں تو غیروں سے ہوتی رہیں
وہ اِلزام اپنوں پہ دھرتے رہے

ہمیشہ رہے وہ ہمارے خلاف
وہ دم دُشمنوں ہی کا بھرتے رہے

خُدا کا کرم رآز اُن پر رہا
جو اَوروں کے دُکھ دُور کرتے رہے

اے چشمِ سحر کار یہ کیا کر دیا گیا
میرے ہی دِل کو مجھ سے جُدا کر دیا گیا

دیوانگیٔ عشق میں کیا کر دیا گیا
دِل کو رہینِ حُسن و ادا کر دیا گیا

اے جوشِ اشتیاقِ پرستش ترے نثار
اُس بُت کو رفتہ رفتہ خُدا کر دیا گیا

اپنے کئے پہ ہم نہ پشیماں کبھی ہوئے
جو کر دیا گیا وہ بجا کر دیا گیا

میں کیا کہوں کہ غیر کی محفل میں آج کیوں؟
مجھکو بھی ایک جام عطا کر دیا گیا

اَے خالقِ جہاں یہ بتا دے بُتوں کو کیوں
مُشتاقِ ظُلم و جوَر و جفا کر دیا گیا

جینے دیا نہ اُس نے زمانے کو چَین سے
جِس بُت کو بھی جہاں میں خُدا کر دیا گیا

دُنیا میں وہ خدا تو نہ تھا عشق میں مگر
اُس بُت کو رازِ پھر بھی خُدا کر دیا گیا

کسی کے حال پر جس دم ستم ایجاد ہوتا ہے
تو اُس مظلوم کا دل مائلِ فریاد ہوتا ہے

بھلا رِندوں سے تجھ کو کس لئے نفرت ہے اے ساقی
ترا مے خانہ رِندوں ہی سے تو آباد ہوتا ہے

ہماری ایک بھی بات آپ سے مانی نہیں جاتی
عدو کے ہر سخن پر آپ کا کیوں صاد ہوتا ہے

جہانِ عشق میں فرہاد بستے ہیں کئی لیکن
جو کوہِ بے ستوں کاٹے وہی فرہاد ہوتا ہے

تری چشمِ کرم ہی وجہِ آبادی ہے اے ساقی
نہ پوچھے تو جسے محفل میں وہ برباد ہوتا ہے

بہار آتے ہی بڑھ جاتی ہے اے راز اپنی وحشت بھی
جہاں میں موسمِ گُل بھی جنوں ایجاد ہوتا ہے

مائلِ کار اگر دیدۂ گریاں کرتے
دِل کے ویرانے کو ہم رشکِ گُلستاں کرتے

زُلفِ پیچاں میں اُلجھ جائے نہ یہ طائرِ دل
کاش وہ زُلفوں کو ایسے نہ پریشاں کرتے

مشورہ عشق کا دیتے نہ ہمیں حضرتِ دل
ہم پہ کرنا ہی تھا احساں، تو یہ احساں کرتے

ڈوبنا تھا ہمیں طوفاں ہی میں جا کر ہمدم
کیوں کنارے ہی پہ اندازۂ طوفاں کرتے

ہاتھ اُٹھاتے وہ سرِ بزم جو انگڑائی کو
دیکھنے والے فدا اُن پہ دل و جاں کرتے

رازِ میکش کو بُلانا ہی اگر تھا تم نے
بزم میں ساغر و مے کا بھی تو ساماں کرتے

میرے دِل میں ہوگیا ہے آج راحت گیر کون
چھُپ گیا آنکھوں سے بن کر خواب کی تعبیر کون

پر لگا کر کیوں اُڑی جاتی ہے میخانے سے مے
میکدے میں آ گیا ہے میکشِ بے پیر کون

کُچھ خبر بھی ہے تجھے اے بانوئے نُورِ جہاں
تیرے اِک تیرِ غضب سے مر گیا رہگیر کون؟

رُت یہ ہے برسات کی اُس پر ہوائے خُوشگوار
جائے اب ایسے میں سُوئے وادیٔ کشمیر کون

بھاگ جانا قید خانے سے نہیں مشکل مگر
دُست لبستہ شہر میں کھولے مری زنجیر کون "

مِثلِ شبنم، رات بھر آنسو بہائے کس نے راز
صَرفِ زاری، صحنِ گلشن میں رہا دلگیر کون

ایک دو جام مجھے بھی تو پلا دو یارو
جلوہ فردوس کا جیتے جی دکھا دو یارو

سرِ میخانہ برسنے لگا ہے، ابرِ بہار
ساقیٔ مست کو سوتے سے جگا دو یارو

خُم پہ خُم آج اُڑیں شیشہ و پیمانہ ہے کیا
آج میخانہ میں اِک دُھوم مچا دو یارو

بد نظر آج کوئی بزم میں آیا ہے ضرور
مے میں وہ کیف نہیں اُس کو اُٹھا دو یارو

جس سفر کے لئے ہیں راہنماؤں کے مُرید
ہیں وہ گمراہ اُنھیں راہ دکھا دو یارو

جی لیا، جی لیا، جی بھر کے لیا جی ہم نے
اور جینے کی ہمیں اب نہ دُعا دو یارو

صیغۂ راز میں رہنے دو سبھی رآز کے راز
رآز کے راز کسی کو نہ بتا دو یارو

مُجھے دیوانہ نہ فرزانہ بنایا ہوتا
جو بنانا ہی تھا مستانہ بنایا ہوتا

حُسن کو دیکھتی رہتیں یہ لگا ہیں یارب
ساری دُنیا کو صنم خانہ بنایا ہوتا

ساقیٔ مست کی نظریں نہ اُٹھیں خیر ہُوئی
ورنہ دُنیا ہی کو مے خانہ بنایا ہوتا

تُو نے بخشی ہے جنھیں حُسن کی دَولت یارب
اُن کا دِل بھی تو امیرانہ بنایا ہوتا

مُجھے لانا ہی تھا دُنیا میں تو اے میرے خُدا
مُجھے محتاج کسی کا نہ بنایا ہوتا

میری باتوں میں نظر آتی حقیقت کی جھلک
تُم نے اُن کو جو نہ افسانہ بنایا ہوتا

برقِ سوزاں مرا کاشانہ جلا دیتی اگر
میں نے بھی اِک نیا کاشانہ بنایا ہوتا

کُچھ جو کر سکنے کی ہوتی مُجھے طاقت اے رازؔ
میں نے صحراؤں کو گُل خانہ بنایا ہوتا

سر بہ خم حاضر ہیں تو دشنہ لگا خنجر لگا
جو بھی تیرے دل میں آئے اے جفا پرور لگا

کیوں تڑپتا چھوڑتا ہے، اور بھی خنجر لگا
اور بھی چرکے ابھی شوخِ ستم پرور لگا

تم نہ تھے تو سیرِ گلشن میں نہ تھی کچھ دل کشی
ہر گلِ گلشن ہمیں جلتا ہوا اخگر لگا

نعشِ پروانہ پہ رو کر شمع یہ کہنے لگی
عشق نے پھونکا اِسے اِلزام میرے سر لگا

زندگی کے پہلوؤں پر کیا کریں نقد و نظر
زندگی کا جو بھی رُخ دیکھا وہی بہتر لگا

رازؔ ہم کو حضرتِ ساحرؔ کے لُطف و فیض سے
ہر طرح آسان تر، ہر بحر کا تیور لگا

مے نوش بے نیاز ہیں روزِ حساب سے
دھوتے ہیں روز دھبّے گنہ کے شراب سے

پانی پہ بُلبُلوں کو نہیں جس طرح ثبات
اِس قُلزمِ جہاں میں ہیں ہم بھی حباب سے

اِس کے بغیر رہ نہیں سکتے ہم ایک پل
ہم کو ہے والہانہ محبّت شراب سے

تم میری بات بات کا دو سوچ کر جواب
دِل مُطمئن نہیں ہے تمھارے جواب سے"

مُشتاقِ دید اُن کو جو دیکھے، تو کِس طرح
چشمِ تماشہ خیرہ ہے، جلووں کی آب سے

اِس زُلفِ رُخ کو کِس طرح حاصل ہُوئی ہے یہ
شب سے سیاہی، اور ضیا آفتاب سے

معلوم ہو سکا نہ مجھے آج تک یہ راز
کیوں گھورتی ہیں مجھ کو وہ آنکھیں نقاب سے

○

جفا کیجئے یا وفا کیجئے
محبّت کا بدلہ ادا کیجئے

بہت کر چکے ہیں دوا چارہ گر
دُعا کا ہے وقت اب دُعا کیجئے

مِلانا نہیں جانتے آپ تو
نہ ملتے ہُوؤں کو جُدا کیجئے

کوئی رِند یہ تو بتائے ہمیں
نہ دے جام ساقی تو کیا کیجئے

کہیں رشک سے بیٹھ جائے نہ دل
نہ اَوروں پہ مشقِ جفا کیجئے

منوّر کیا خانۂ غیر کو
مرے گھر کو بھی پرُضیا کیجئے

ابھی ہوش میں آئے گا بے خبر
ذرا گیسوؤں کی ہوا کیجئے

جو مرغوب ہیں ظلم و جور آپ کو
فقط رازؔ پر ہی جفا کیجئے

کس قدر بدلا ہے کردار جہاں کا یارو
ہم نے ایسا کبھی دیکھا نہ سُنا تھا یارو

ہم ہیں بے حال اِدھر اور وہ بے چین اُدھر
مُشترک آیا نظر درد کا رشتا یارو

دہر فانی ہے، نہ سمجھو اِسے تُم جائے قرار
ایک دن ہوگا یہاں سے ہمیں جانا یارو

لوگ تو اچھے بھلے کو بھی گرا دیتے ہیں
کون گِرتے ہوؤں کو دے گا سہارا یارو

کہیں گھیرے ہیں گھرے ہیں وہ نظر بازوں کے
چاند کے گرد نظر آتا ہے ہالا یارو

رازؔ اک رندِ بلا نوش ہے مانا ہم نے
کبھی اِس کو نہ بہکتے ہُوئے دیکھا یارو

فدا ہیں قلب و جگر جس کے حُسنِ پُرفن پر
وہ مجھکو دیکھ کے بل ڈالتا ہے چِتوَن پر

حیات میں کبھی پوچھا نہ تم نے حال مرا
دیئے جلاتے ہو اب آ کے میرے مدفن پر

اُمڈ کے آئے ہیں بادل برس رہی ہے پھوار
لُنڈھا دے ساقیٔ میخانہ دوست و دُشمن پر

بہار آنے پہ جانے خدا یہ کیا کر دے
ابھی سے دستِ جنوں کی نظر ہے دامن پر

چمن میں اور بھی کتنے ہی آشیاں ہیں رازؔ
گری ہے برق مگر میرے ہی نشیمن پر

○

دِل دُکھ رہا ہے اور دُکھایا نہ جائے گا
"قصّہ شبِ الم کا سُنایا نہ جائے گا"

خود دارِ انجمن ہیں کریں گے نہ احترام
دُشمن کو ہم سے اُٹھ کے بٹھایا نہ جائے گا

ہم رندِ بادہ نوش نہ آئیں گے ہوش میں
جب تک کہ ہم کو جام پِلایا نہ جائے گا

وہ حسرتیں کہ پالی گئی ہیں جو شوق سے
اُن حسرتوں کا خون بہایا نہ جائے گا

دُنیا یہ رفتنی ہے چلے جائیں گے سبھی
اپنا نہ جائے گا، کہ پرایا نہ جائے گا!

اَے حُسن اپنی بزم سے ہم کو اُٹھا نہ تُو
اک بار اُٹھ گئے تو پھر آیا نہ جائے گا

یہ سونے والے سوئے ہیں ایسے کہ اِن کو آز
روزِ جزا سے پہلے جگایا نہ جائے گا

رُباعیات و قطعات

ہاتھوں میں لئے عیش کا ساز آتا ہے
جو دیکھتا ہے کہتا ہے راز آتا ہے
اِس سا تو کوئی رندِ بلا نوش نہیں
مرتا بھی ہے کب پینے سے باز آتا ہے

○

اے شیخ مئے ناب کو پینا ہے مجھے
اپنے جگرِ چاک کو سینا ہے مجھے
تلقین عبث ہے ترکِ مے کی مجھکو
میں کیوں نہ پیوُں! چین سے جلینا ہے مجھے

○

گلزار میں گِھر گِھر کے سحاب آیا ہے
مُطرب بھی لئے سازِ رُباب آیا ہے
اَے کاش کہ اب ایسے میں تُو بھی آجا
ساقی ترا ہر رندِ خراب آیا ہے

آبِ گوہر و لعل کو ہم پیتے ہیں
ہر روز زر و مال کو ہم پیتے ہیں
دُنیا یہ سمجھتی ہے کہ پیتے ہیں شراب
رازؔ آتشِ سیال کو ہم پیتے ہیں

بھیگی بھیگی سی ہو فضا جس دم
ساتھ ہی چل رہی ہو بادِ شمیم
رازؔ اس خوشگوار موسم میں
بیٹھنا چھُپ کے ہے گناہِ عظیم

لو فضا بن گئی سحاب سحاب
بارۂ ابر ہے حجاب حجاب
میکدہ میں ہے شور رندوں کا
ساقیا، ساقیا، شراب شراب

شوق سے تم مناؤ جشنِ بہار
ہم تو جشنِ خزاں منائیں گے
جب تمھاری بہار ہو گی خزاں
ہم چمن میں بہار پائیں گے

وہ گُل کیا جس میں رنگ و بُو نہیں ہے
وہ دِل کیا، جو محبّت خُو نہیں ہے
بتا وہ کونسا دِل ہے جہاں میں
کہ جِس دِل میں خُدایا تُو نہیں ہے

مست و آزاد ہیں کبابی ہیں
رند ہیں، عاشقِ گلابی ہیں
نہ کوئی بھی ہمارے مُنہ آئے
ہم شرابی ہیں، ہم شرابی ہیں

زخمِ جگر چاک نہیں سِی سکتا
ہرگز وہ مرے ساتھ نہیں جی سکتا
پینے کے لئے چاہیئے اعلیٰ ظرفی
کم ظرف میرے ساتھ نہیں پی سکتا

مُدّت ہوئی آپس میں ہمیں راز مِلے
اک عرصہ ہُوا قلب کی کلیوں کو کھِلے
دُکھ درد کی جب چارہ گری جاتی رہی
بتلائے کوئی زخمِ جگر کیسے سِلے ؟

جاں بخش و دلِ افروز سہارے تُم ہو
واللہ ہمیں جان سے پیارے تُم ہو
جی جان سے کیوں تُم پہ نہ صدقے ہو جائیں
یہ فخر ہمیں ہے کہ ہمارے تُم ہو

شاعر نے دیا پیام یکجہتی کا
گویا کہ دیا ہے جام یکجہتی کا
سنتے ہی جسے مست ہوئے ہیں آزاد
کیا کیف سے پُر، نام ہے یکجہتی کا

جس مُلک میں ہمرنگی و یکجہتی ہے
اُس مُلک میں رحمت کی ندی بہتی ہے
سرسبز رہا کرتی ہے اُس مُلک کی خاک
خوشحالی کی دیوی بھی وہیں رہتی ہے

لازم ہے کہ یکجہتی کو اپنائیں ہم
ہمرنگی و یکجہتی کے گُن گائیں ہم
ہمدستی و ہمرنگی کی خود بن کے مثال
دُنیا کے دل و ذہن پہ چھا جائیں ہم

ہے گلشنِ خوش رنگ ، جہانِ اُردو
رنگینیٔ فردوس ، بیانِ اُردو
نازاں نہ ہوں کیوں اس پہ سبھی اہلِ ادب
ہر طور سے دِلکش ہے، زبانِ اُردو

جو جانتے ہیں عظمت و شانِ اُردو
نقش اُن کے دِلوں پر ہے نشانِ اُردو
کم ہونے نہیں دیتے کبھی اِس کا وقار
منظور اُنھیں ہر آن ہے، آنِ اُردو

دُنیا میں کسی شخص سے نفرت نہ کرو
ہر ایک سے تُم پیار سے اُلفت سے رہو
جب سامنا کرنا ہو کِسی دُشمن کا
اک ہو کے مخالف پہ سبھی ٹُوٹ پڑو

یہ روز ہر اِک سال کے بعد آتا ہے
پیغامِ مسرّت و خوشی لاتا ہے
کِھل اُٹھتا ہے ہر دِل کا گلستاں اے رازؔ
ہر غُنچہ چٹک کے پُھول بن جاتا ہے

جمہور کا دن، آؤ منائیں ہم بھی
ناچیں، کبھی کُودیں، کبھی گائیں ہم بھی
گاتے ہیں کوئی گیت نگارانِ ہند
اے رازؔ غزل کوئی سُنائیں ہم بھی

اے مرے ہندوستاں، تیرا وقار
اور بھی ہو پُرکشش اور پُر بہار
ہیں تیری تابندگی، رخشندگی
تو مری تخلیق کا ہے شاہکار

تاریخی قطعات

بروفات جد اُستاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی

رو رہے ہیں کسے بُزرگ و خُورد
در غم کیست عالمے افسُرد
رازؔ ہر خواجہ تاش کہتا ہے
حضرتِ جوشؔ بابا آہ بمُرد

۱۹۷۶ء

حضرت جوشؔ ملیح آبادی اور پروفیسر فراقؔ گورکھپوری کی وفات پر

اے رازؔ پہلے تو بُجھی شمعِ حیاتِ جوشؔ
پھر بُجھ گیا بھڑک کے چراغِ فراقؔ ہائے
تاریخِ مرگ کے لئے ہاتف نے دی صدا
غم ہائے ہائے جوشؔ کا۔ داغِ فراقؔ ہائے

۱۴۰۲ ہجری ۱۴۰۲ ہجری

بروفات اُستادِ غزل حضرتِ بسملؔ سعیدی ٹونکی

تڑپ اُٹھے ہیں قلب و جاں غم بسملؔ سعیدی ہے
ہُوئے ہیں کُشتۂ حرماں غم بسملؔ سعیدی ہے
ہوئی جب فکر پیدا رازؔ سِنِ مرگ کہنے کی
کہا ہاتف نے مجھ سے ہاں غم بسملؔ سعیدی ہے

۱۳۹۷ ہجری